اوردو میں دخیل اور دخیل نما الفاظ

اوردو زبان میں داخل شدہ دوسری زبانوں کے الفاظوں اور ان سے مشابھت رکھتے
الفاظوں پر ایک نادر تحقیق

از

ڈاکٹر سھیل بخاری

کرف

جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

Kurf™©2021 ... کرف™

جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

عنوان:اوردو میں دخیل اور دخیل نما الفاظ

محقق:ڈاکٹر سہیل بخاری۔

نوع: اوردو لغت۔

برقی پیشکش:ڈاکٹر محمد علی جنید۔

بشکریہ:سید خالد جامعی۔

کرف

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku
www.kurfku.blogspot.com

جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

پیش لفظ

جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے مختلیف منفرد موضوعات بلخصوص،جدیدیت،مسلم جدیدیت،الحاد،ادب،لغت،آثار قدیمہ،تاریخ میں مختلیف برقی کتب قارعین کے لئے پیش خدمت کی گئی تھیں، انھی میں سے ایک اوردو میں دوسری زبانوں سے اخذ کردہ دخیل الفاظ اور ان سے مماثل الفاظ کی بابت یہ تحقیق جو محترم ڈاکٹر سھیل بخاری کے قلم کا نتیجہ ہے،اسی نوع کی متروکات کی لغتی تحقیق بھی پہلے پیش کی جاچکی ہے اور بھارت کی مشہور ریختہ جیس سایٹ تک نے اسے اپنے برقی ڈیٹا بیس کی زینت بنایا ہے۔اسی سلسلے کی یہ منفرد و مختصر تحقیق آپکئ پیش نظر ہے۔

پچھلے دنوں سپریم کورٹ کے، قومی زبان اردوکو سرکاری زبان قرار دینے کے نہایت خوش آیند سوشل وپرنٹ میڈیا پر بڑی مفید بحث چلی تھی۔ سب سے زیادہ بحث اس نکتے پر فیصلے کی بابت ہوئی کہ اردو کو سرکار اور تعلیم کی زبان قرار دینے کے بعد جو مسائل سامنے آئیں گے، اس میں سرفہرست انگریزی زبان جو اب تک سرکارکی زبان رہی ہے، کی دفتری و تعلیمی اصطلاحات کو اردو میں ترجمہ کیسے کیا جائے۔

اس سلسلے میں ہماری رائے یہ بنی کہ اردو میں دخیل انگریزی زبان کے الفاظ کو جوں کا توں رہنے دیا جائے تو یہ زبان اور اہلِ زبان دونوں کے لیے بہتر ہو گا ،کیو نکہ وہ دخیل الفاظ دراصل اب انگریزی کے الفاظ رہے ہی نہیں، وہ اردو کے اپنے الفاظ کا درجہ پا چکے ہیں...ان کا بلا ضرورت ترجمہ ہمیں ایک دوسری انتہا پر لے جائے گا، جس سے ابلاغ شدید متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس انتہا کی ایک مثال پچھلے دنوں فیس بک پر دیکھی ،جب بعض عربی داں احباب اردو میں فرنگی الفاظ ڈھونڈ ڈھونڈ کران کے متبادل عربی الفاظ پیش کر رہے تھے یہ کہہ کر کہ یہ ملعون فرنگیوں کے الفاظ ہیں،گویا وہ غیر ضروری دینی حساسیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اردو کو مسلمان کرنے کی سعی لاحاصل کر رہے تھے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اب ان الفاظ کی حیثیت اردو کے اصل الفاظ کی سی ہے، ورنہ صرف نصاریٰ کی زبان ہی کیوں، اس طرح تو پھر اردو میں شامل مجوسیوں کی زبان یعنی فارسی کے ہزاروں الفاظ اور ہندوؤں کی زبان سنسکرت (ہندی)کے سیکڑوں الفاظ بھی ختم کیے جانے چاہئیں... مگر اس طرح اردو، لشکری زبان تو نہ رہے گی، اس آپریشن کلین اپ کے نتیجے میں ہوگا یہ کہ آخر میں صرف خالص عربی ہی بچے گی۔

یاد رکھیے کہ غیر زبانوں کے جو لفظ کسی زبان میں پوری طرح کھپ جائیں، انہیں دخیل کہا جاتا ہے... اور ایک بار جو لفظ زبان میں کھپ جائے تو ان میں اور اصل زبان کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں رکھا جاتا... جس طرح دنیا کے کسی بھی خطے کے کسی بھی رنگ ونسل کا انسان اسلام قبول کر لے تو اس نومسلم میں اور پیدائشی مسلمان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں رکھا جاتا... بالکل اسی طرح جب کوئی لفظ ہماری زبان میں آ گیا تو بس وہ ہمارا ہو گیا۔

البتہ یہ بالکل ممکن ہے کہ اردو میں دخیل دوسری زبانوں کے الفاظ ہماری زبان میں آ کر بھی وہی معنی دیں، جو اپنی اصل زبان میں دیتے تھے... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے تلفظ اور املا ہی

نہیں، معنی بھی ہماری زبان میں آ کربالکل بدل جائیں، جیسا کہ اردو میں لطیفہ کسی ایسی چھوٹی سی کہانی یا چٹکلے کو کہتے ہیں، جسے سن کر ہنسی آئے... مگر لطیفہ کے یہ معنی نہ عربی میں ہیں اور نہ فارسی میں... عربی میں لطیفہ اچھی چیز یا بات کوکہتے ہیں اور فارسی میں بھی لطیفہ انوکھی اور کسی نکتے کی بات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

کچھ عرصے پہلے ہی ایک صاحب کے کالم میں یہ بحث پڑھنے کو ملی کہ ہم یونیورسٹی کیوں کہتے ہیں، ہمیں جامعہ کہنا چاہیے۔بے شک جامعہ یونیورسٹی کا متبادل ہے جیسا کہ جامعہ کراچی۔

مگر ہمارے ہاں اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے الفاظ کو اب عصری تعلیمی اداروں کے لیے قبول عام حاصل ہو گیا ہے اور وہ گویا اردو کے ہی الفاظ ہو چکے ہیں۔ بالکل اَن پڑھ بھی ان الفاظ کو عام روزمرہ میں بولتا سمجھتا ہے۔ اس لیے اب یہ بے جا تکلف ہی ہو گا کہ انہیں دینی تعلیمی اداروں کی طرح مکاتب، مدارس یا جامعات کہنے پر زور دیا جائے، اس سے بلکہ نقصان یہ ہو گا کہ دینی تعلیمی اداروں کی تخصیص بھی ختم ہو جائے گی۔

البتہ لفظ یونیورسٹی کا چونکہ متبادل لفظ جامعہ کی صورت میں نہ صرف موجود ہے بلکہ استعمال میں بھی ہے۔ اس لیے دونوں الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں جیسا کہ پانی اور آب دونوں اردو میں مستعمل ہیں۔[1]

<u>ہم دیکھتے ہیں کہ خود صاحب تحریر کا موقف ہے کہ:</u>

دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس میں کسی دوسری زبان کے الفاظ نہ پائے جاتے ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو قوموں میں ملاپ ہوتا ہے تو ان کی زبانیں بھی ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے ذخیرے سے تھوڑے بہت الفاظ ضرور لے لیتی ہے جو اپنے بے گانہ ماحول میں'' دخیل ''کہلاتے ہیں۔ان کی اہمیت اس لیے مسلّم ہے کہ یہ ہمیں دوقوموں کے تعلقات اور ان کی نوعیت (مذہبی، سیاسی، فوجی، سماجی وغیرہ) سے آگاہی بخشتے ہیں جو ماضی کے کسی عہد میں استوار ہوئے تھے اور یوں تاریخ عالم کے ان گوشوں کو روشن کرتے ہیں جو ابھی تک پردۂ تاریکی میں ہیں اور جن تک ہماری رسائی کے تمام وسائل ختم ہوچکے ہیں، چنانچہ اس اعتبارسے کہ ازمنہ قدیم کے حالات کا سراغ لگانے کے لیے زبان اور زبان کے الفاظ ہی ہمارا واحد وسیلہ اور آخری سہارا ہیں۔ اردو قوموں کے ارتباط باہمی سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دخیل الفاظ کی قدروقیمت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔

ماضی کے کسی دور میں ہندوستان پر موجودہ روسی ترکستان کے آریہ قبائل کی ترک تاز اس برصغیر کی تاریخ کا وہ اہم واقعہ ہے جس کے باعث دو قوموں (آریہ اور دراوڑ) میں ایک ایسا تصادم ہوا تھا کہ اس کے اثرات زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح آج ہندوستانی لسانیات میں بھی اچھی طرح محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب اردو زبان نے ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح پہلی بار آریوں کی آبائی زبان (اصطلاحاً اوستائی) کے حلقہ اثر میں آکر 'و'، 'ہ' اور'ی' کی آوازیں قبول کی تھیں جو بادی النظرمیں اس کا گوشت وپوست معلوم ہوتی ہیں لیکن ذرا سے تامل پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ آریوں کے حملہ سے پہلے ہمالیہ کے اس پارکی زبانوں میں جنھیں بجاطور پر دراوڑی کہا جاسکتا ہے، یہ آوازیں نہیں ملتی تھیں۔چنانچہ آج بھی ہماری زبانوں کا تلفظ جو ہزاروں سال سے زبانوں

[1] https://www.express.pk/story/414403/

پر کمال صحت کے ساتھ منتقل ہوتا چلا آیا ہے، پکارے گلے بتارہا ہے کہ یہ آریائی ملمّع ہماری آواز کی ہلکی سی آنچ سے صاف اُترجاتا ہے۔

ایک مانے ہوئے اوردو کے جید محقق و ادیب شمس الرحمان فاروقی صاحب کا کہنا ہے کہ:

غیر زبانوں کے جو لفظ کسی زبان میں پوری طرح کھپ جاتے ہیں، انھیں "دخیل" کہا جاتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ صرف اور نحو کے اعتبار سے دخیل لفظ اور غیر دخیل لفظ میں کوئی فرق نہیں۔

جب کوئی لفظ ہماری زبان میں آگیا تو وہ ہمارا ہوگیا اور ہم اس کے ساتھ وہی سلوک روا رکھیں گے جو اپنی زبان کے اصلی لفظوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں، یعنی اسے اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق اپنے رنگ میں ڈھال لیں گے اور اس پر اپنے قواعد جاری کریں گے۔ لہٰذا یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی دخیل لفظ کے معنی، تلفظ، جنس یا املا ہماری زبان میں وہ نہ ہوں جو اس زبان میں تھے جہاں سے وہ ہماری زبان میں آیا ہے۔ اردو میں عملاً اس اصول کی پابندی تقریباً ہمیشہ ہو ئی ہے۔ لیکن شاعری میں اکثر اس اصول کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ صرف و نحو کی کتابوں میں بھی بعض اوقات اس اصول کے خلاف قاعدے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ دونوں باتیں غلط اور افسوسناک ہیں۔ نحوی کا کام یہ ہے کہ وہ رواج عام کی روشنی میں قاعدے مستنبط کرے، نہ کہ رواج عام پر اپنی ترجیحات جاری کرنا چاہے۔ شاعر کا منصب یہ ہے کہ وہ حتی الامکان رواج عام کی پابندی کرتے ہوئے زبان کی توسیع کرے، اس میں لچک پیدا کرے نہ کہ وہ رواج عام کے خلاف جا کر خود کو غلط یا غیر ضروری اصولوں اور قاعدوں کا پابند بنائے۔

اردو میں دخیل الفاظ بہت ہیں اور دخیل الفاظ کے ذخیرے سے بھی بہت بڑا ذخیرہ ایسے الفاظ کا ہے جو دخیل الفاظ پر تصرف کے ذریعہ بنائے گئے ہیں۔ یہ تصرف کئی طرح کا ہو سکتا ہے۔

۱۔غیر زبان کے لفظ پر کسی اور زبان کے قاعدے سے تصرف کر کے نیا لفظ بنانا۔ اس کی بعض مثالیں حسب ذیل ہیں:

* فارسی لفظ "رنگ" پر عربی کی تاے صفت لگا کر "رنگت" بنا لیا گیا۔
* فارسی "نازک" پر عربی قاعدے سے تاے مصدر لگا کر "نزاکت" بنا لیا گیا۔
* عربی لفظ "طرفہ" پر فارسی کی علامت فاعلی لگا کر "طرفگی" بنایا گیا۔
* فارسی لفظ "دہ /دیہہ" پر عربی جمع لگا کر "دیہات" بنایا اور اسے واحد قرار دیا۔
* عربی لفظ "شان" کے معنی بدل کر اس پر فارسی کا لاحقۂ کیفیت لگایا اور "شاندار" بنا لیا۔
* عربی لفظ "نقش" پر خلاف قاعدہ تاے وحدت لگا کر "نقشہ" بنا یا، اس کے معنی بدل دیے، اور اس پر فارسی لاحقے لگا کر "نقشہ کش/نقش کشی؛ نقشہ نویس/ نقشہ نویسی؛ نقشہ باز" وغیر بنا لیے۔

* عربی لفظ "تابع" پر فارسی لاحقہ "دار" لگا لیا اور لطف یہ ہے معنی اب بھی وہی رکھے کیوں کہ "تابع" اور "تابع دار" ہم معنی ہیں۔

۲:۔غیر زبان کے لفظ پر اپنی زبان کے قاعدے سے تصرف کرنا۔ اس کی بعض مثالیں حسب ذیل ہیں ۔
عربی "حد" پر اپنا لفظ "چو" بمعنی "چار" اضافہ کیا ، پھر اس پر یاے نسبتی لگا کر "چو حدی" بنا * لیا۔
عربی لفظ "جعل" کے معنی تھوڑا بدل کے اس پر اردو کی علامت فاعلی لگا کر "جعلیا" بنایا گیا۔ *
فارسی کی علامت فارعلی لگا کر "جعل ساز" بھی بنا لیا گیا۔
عربی لفظ "دوا" کو "دوائی" میں تبدیل کر کے اس کی جمع اردو قاعدے سے "دوائیاں" بنی۔ *
فارسی لفظ "شرم" پر اپنا لاحقۂ صفت بڑھا کر "شرمیلا" بنا لیا۔ *
فارسی لفظ "بازار" پر اردو لفظ "بھاؤ" لگا کر اردو قاعدے کی اضافت بنا لی گئی؛ "بازار بھاؤ"۔ *

۳:اپنی زبان کے لفظ پر غیر زبان کا قاعدہ جاری کر کے نیا لفظ بنا لینا۔ بعض مثالیں حسب ذیل ہیں ۔
اپنا" میں عربی کی تاے مصدری اور اس پر ہمزہ لگا کر "اپنائیت" بنایا گیا۔ لکھنؤ میں "اپنایت" " *
بولتے تھے لیکن بعد میں وہاں بھی "اپنائیت" رائج ہوگیا۔ "آصفیہ" میں "اپنائیت" ہی درج ہے۔

اردو کے لفظ پر "دار" کا فارسی لاحقہ لگا کر متعدد لفظ بنائے گئے؛ "سمجھ دار، چوکیدار، پہرے * دار" وغیرہ۔
اردو کے لفظ "دان" کا لاحقہ لگا کر بہت سے لفظ بنا لیے گئے ، جیسے:" اگردان، پیک دان، پان دان * " وغیرہ۔

۴:غیر زبان کے لفظ سے اپنے لفظ وضع کرلینا۔ بعض مثالیں حسب ذیل ہیں ۔
مصدر "گرم" سے "گرمانا"؛"شرم" سے "شرمانا" وغیرہ۔ *
اسم "نالہ" سے "نالش"؛ "چشم" سے "چشمہ(بمعنی عینک)" وغیرہ۔ *
("کا تلفظ "کھیکی Khaki صفت "خاک" سے "خاکی" (رنگ، انگریزی میں)

۵:غیر زبان کے طرز پر نئے لفظ بنا لینا۔ مثلاً حسب ذیل لفظ فارسی / عربی میں نہیں ہیں، اردو والوں :نے وضع کیے ہیں۔
بکر قصاب؛ دل لگی؛ دیدہ دلیل؛ ظریف الطبع؛ قابو پرست؛ قصائی؛ ہر جانہ؛ یگانگت وغیرہ *

۶آنسو گیس (اردو، :اپنا اور غیر زبان کا لفظ ملا کر، یا غیر زبان کے دو لفظ ملا کر اپنا لفظ بنا لینا، مثلاً انگریزی)؛ بھنڈے بازار (اردو، فارسی)؛ خچر یاتری (اردو ، انگریزی)؛ خود غرض (فارسی، عربی)؛ گربہ قدم (فارسی، عربی) وغیرہ۔

جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے، دخیل الفاظ ، چاہے وہ براہ راست دخیل ہوئے ہوں یا ان کے زیر اثر مزید لفظ بنے ہوں، سب ہمارے لیے محترم ہیں۔ کسی دخیل لفظ، کلمے یا ترکیب کو، یا اس کے رائج تلفظ یا املا کو یہ کہہ کر مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ جس زبان سے یہ لیا گیا ہے وہاں ایسا نہیں ہے۔ جب کوئی لفظ ہماری زبان میں آگیا تو اس کے غلط یا درست ہونے کا معیار ہماری زبان،اس کے قاعدے، اور اس کا روز مرہ ہوں گے نہ کہ کسی غیر زبان کے۔ ہمارے یہاں یہ طریقہ عام ہے کہ کسی لفظ یا

ترکیب یا اس کے معنی کے لیے فارسی سے سند لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ فارسی میں ایسا ہے، اس لیے اردو میں بھی ٹھیک ہے۔ یہ طریقہ صرف اس حد تک درست ہے جب تک فارسی کی سند ہمارے روزمرہ یا ہمارے رواج عام کے خلاف نہ پڑتی ہو۔فارسی میں صحیح ہے اس لیے اردو میں صحیح ہے"، یہ اصول بھی اتنا ہی غلط ہے جتنا یہ اصول کہ "فارسی [یا عربی] میں غلط ہے، اس لیے مثال کے طور پر "مضبوط" کو جدید فارسی میں "مخزون" کے معنی میں "اردو میں بھی غلط ہے۔ بولتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مثلاً "یہ کتاب نیشنل لائبریری میں مخزون ہے"۔ یہاں فارسی والا "مضبوط" کہے گا۔ ظاہر ہے کہ فارسی کی یہ سند اردو کے لیے بے معنی ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ اردو نے فارسی /عربی سے بے شمار الفاظ ، محاورات اور تراکیب حاصل کیے ہیں۔لہٰذا یہ بالکل ممکن ہے کہ اگر اردو میں کسی عربی/فارسی لفظ کے بارے میں کوئی بحث ہو تو ہم عربی/فارسی کی سند لا کر جھگڑا فیصل کرلیں۔ لیکن شرط یہی ہوگی کہ عربی /فارسی کی سند ہمارے رواج عام یا روزمرہ کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً لفظ "کتاب" کی جنس کے بارے میں اختلاف ہو تو یہ سند فضول ہوگی کہ عربی میں "کتاب"مذکر ہے، لہٰذا اردو میں بھی یہ لفظ مذکر ہوگا/ہونا چاہیے۔ اسی طرح، اگر یہ سوال اٹھے کہ "طشت از بام ہونا" صحیح ہے کہ نہیں، تو یہ استدلال فضول ہوگا کہ فارسی میں "طشت از بام افتادن" ہے، لہٰذا اردو میں بھی "طشت از بام گر پڑنا" ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے یہاں یوں بولتے ہیں، "سارا معاملہ طشت از بام ہو گیا"، جب کہ فارسی میں یہ محاورہ "طشت" کے حوالے سے بولتے ہیں، یعنی یوں کہتے ہیں:"طشت از بام افتاد"۔ ظاہر ہے کہ یہ ضد کرنا بھی غلط ہے کہ اردو میں بھی یوں ہی بولنا چاہیے۔

یا مثلاً اردو میں "لطیفہ" کے معنی ہیں، "کوئی خندہ آور چھوٹی سی کہانی یا چٹکلا"۔ یہ معنی نہ فارسی میں ہیں نہ عربی میں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اردو میں رائج معنی کو اس بنا پر مسترد نہیں کیا جاسکتا ۔ اگر کوئی شخص "لطیفہ" کو اردو میں "سخن خوب و نیکو" ، یا "اچھی چیز، اچھائی" کے معنی میں استعمال کرے اور کہے کہ (مثلاً) "مقدمہ شعر و شاعری لطیفوں [یا لطائف] سے بھری ہوئی ہے" درست استعمال ہے ، کیوں کہ فارسی میں "لطیفہ"بمعنی "سخن خوب" اور عربی میں بمعنی "اچھی چیز" وغیرہ ہے، تو اس کی بات قطعی غلط قرار دی جائے گی۔لہٰذا بنیادی بات یہی ہے کہ جو استعمال، لفظ ، ترکیب، کلمہ ، اردو کے قاعدے یا رواج کے مطابق ہے، وہ صحیح ہے۔ دوسری بات یہ کہ اردو پر غیر زبانوں، خاص کر عربی /فارسی کے قاعدے جاری کرنا درست نہیں ہے، اس لے کو جتنا دھیما کیا جائے ، اچھا ہے۔[2]

کسی بھی زبان کے زندہ ہونے کی سب سے بڑی علامت یہی سمجھی جاتی ہے کہ وہ نئے دور کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اپنے اندر تبدیلیاں لاتی جائے۔ ایسے الفاظ متروک ہوجاتے ہیں جو کسی زمانے میں رائج تو ہو گئے لیکن لوگوں کے مزاج کا حصہ نہ بن سکے، ایسے الفاظ بھی متروک ہو جاتے ہیں جو لوگوں کی ہجرت کے ساتھ نئے علاقوں میں وہاں کے باشندوں کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتے

---

[2] **بحوالہ : "لغات روزمرہ"، تیسرا اضافہ و تصحیح شدہ ایڈیشن**

ہوں۔ اگر زبان میں دوسری زبانوں خصوصاً مقامی زبانوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو اس کا نئی جگہوں اور نئی ثقافت میں پھلنا پھولنا نا ممکن ہوتا ہے۔[3]

میں محسوس کرتا ہوں کہ زبانیں ابلاغی نقطہ نظر سے جب خارجی زبانوں اور قوموں سے روابط استوار کرتی ہیں تو یہ ناگزیر ہوجاتا ہے کہ مختلیف معاشروں،قوموں مذہبوں،ثقافتوں کے مابین پل باندھ کر باہم ابلاغی رسائی میں وسعت لائی جائے ۔جس سے اخذ وتلمذ کا یہ سلسلہ وسعت بھی پاتا جاتا ہے، اور ان میں وسعتِ قلبی اور علمی بھی پیدا ہوتی رہتی ہے،لہٰذا غیر کسبی فطری غیر جبری رضامندی سے بتدریج اخذ میں کوئی مسلہ معلوم نہیں ہوتا ہے مگر اگر جبر،قوت،یا تقلید اقوام غیر میں یہ رویہ اختیار کیا جائے تو پھر ثقافتی یلغار و حکومت اور تہذیبی مغلوبیت کے مباحث پیدا ہوتے ہیں۔یہ چونکہ ایک مختصر کتاب و تحقیق ہے جس میں مذید وسعت کی ضرورت ہے، لہٰذا میں دعاگو ہوں کہ جسکی اللہ کسی کو مذید اختیار و توفیق عطا فرمائے۔امید ہے نئے سال کی ابتدا کا نیا تحفہ اہل علم پسند فرمائینگے۔

ڈاکٹر محمد علی جنید

3 https://ur.nayasavera.net/%D9%85%D8%B6%D8%A7%D9%85%DB%8C%D9%86/%D8%A7%D8%B1%D8%AF%D9%88-%D8%B2%D8%A8%D8%A7%D9%86-%D9%88-%D8%A7%D8%AF%D8%A8-%DA%A9%DB%92-%D8%B7%D9%84%D8%A8%D8%A7%D8%A1-%DA%A9%DB%92-%D9%84%D8%A6%DB%92-%D8%B4%D9%85%D8%B3-%D8%A7%D9%84%D8%B1%D8%AD/

اردو میں

دخیل اور دخیل نما الفاظ

ڈاکٹر سہیل بخاری

کرف

جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

دیباچہ

زبان لفظ سے شروع اور لفظ پر ہی ختم ہوتی ہے۔لفظ کے بغیر زبان کا کوئی وجود نہیں اور لفظ کے علاوہ زبان کا کوئی تصور نہیں۔خدا نے انسان کو آلات نطق سے نوازا اور ایجاد زبان کی صلاحیت بخشی۔انسان نے لفظ گھڑے اور زبان ڈھالی۔انجیل مقدس اور قرآن مجید کے مطابق آدم نے سب سے پہلے اشیاء کے نام رکھے اور نام لفظ ہی ہوتا ہے۔اس سے زبان میں لفظ کی اہمیت واضح ہے۔

ہر زبان میں ایک ایک لفظ کے تین تین پیکر ہوتے ہیں۔ملفوظی،معنوی اور مکتوبی یعنی مفرد آوازوں کے منظم و مربوط مجموعوں کا تلفظ۔اس مجموعے کا مفہوم و معنی اور مختلف حروف کی مجموعی تصویر۔ پہلا پیکر مفرد بنیادی آوازوں کے منظم و مربوط مرکب سے تیار ہوتا ہے جسے ملفوظہ کہتے ہیں۔ دوسرا پیکر مفرد احساسات وجذبات کے منظم و مربوط آمیزے سے بنتا ہے۔ جسے مدرکہ کہتے ہیں اور تیسرا پیکر مفرد حروف کی املائی تنظیم سے وجود میں آتا ہے جسے مکتوبہ یا ترسیمہ کہتے ہیں۔غرض یہ ہے کہ تینوں پیکر اکائیوں کے مربوط و منظم مرکبات سے تیار ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ نہ مفرد آوازیں ملفوظ کہلا سکتی ہیں، نہ مفرد احساسات وجذبات کو مدرکہ کہہ سکتے ہیں اور نہ مفرد حروف کو مکتوبہ کہا جا سکتا ہے۔ پہلے پیکر کا تعلق صوتیات سے، دوسرے کا معنویات سے اور تیسرے کا فن تحریر سے ہے۔

انجیل مقدس میں مینار بابل کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے ثابت ہے کہ دنیا کی

ابتدا میں ہی ایک سے زیادہ اور ایک دوسرے سے مختلف زبانیں ایجاد ہوئیں ۔اتنی مختلف کہ لوگ ایک دوسرے کی بات سمجھنے سے قاصر رہ گئے اور یہ صورت حال آج تک چلی آرہی ہے لیکن یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ جب کبھی مختلف زبانیں بولنے والے انسان کسی وجہ سے کہیں اکٹھے ہو گئے ہیں تو کاربرآری کے لیے ان کی زبانوں میں لین دین بھی ہوا ہے اور یہ کیفیت آج بھی موجود ہے ۔چناں چہ اس وقت دنیا کی کوئی زبان خالص اور بے میل نہیں ہے ۔ہر زبان میں دیسی الفاظ کے ساتھ ساتھ بدیسی الفاظ بھی بولے جاتے ہیں جنھیں دخیل کہتے ہیں ۔پھر چوں کہ مختلف زبانوں کی بنیادی آوازوں میں فرق پایا جاتا ہے یعنی بعض زبانوں سے دوسری زبانوں کی کچھ خصوصی آوازیں غائب ہیں اس لیے جب ان زبانوں میں غیر زبانوں کی ان آوازوں سے بننے والے الفاظ پہنچتے ہیں تو عوام ان کے اصلی تلفظ پر قادر نہیں ہو پاتے اور خاص طور پر ان الفاظ کو اپنی ہی زبان کی ملتی جلتی آوازوں سے بولنے لگتے ہیں ۔ چناں چہ بدیسی یا دخیل الفاظ کو ملتی جلتی آوازوں سے بولنا ایک عالم گیر واقعہ ہے اور ہر زبان میں ملتا ہے ۔ایسے الفاظ کو ہم دیسی نما کہہ سکتے ہیں ۔مثلاً عربی زبان میں انگریزی کی ٹ اور ڈ نہیں ہیں تو عربی بولنے والے انگریزی کے ایسے الفاظ کو جن میں ٹ بولی جاتی ہے اپنی زبان کی طوئے داخل کر کے اور ڈ کو د سے بدل کر بولتے ہیں جیسے انگریزی اٹالیا عربی اطالیہ ۔ انگریزی برٹانیا عربی برطانیہ ۔انگریزی ڈیماکریٹس عربی دیمقراطیس ۔انگریزی ارسٹوٹل عربی ارسطو ۔انگریزی ڈایابٹیز عربی ذیابیطس وغیرہ ۔

کبھی کچھ لوگ دیسی الفاظ کو بعض دیسی آوازوں کی جگہ کسی وجہ سے بدیسی زبان کی خصوصی آوازیں داخل کر کے بھی بولنے لگتے ہیں ۔ان الفاظ کو دخیل نما اور ان کی بدیسی آوازوں کو دخیل آوازیں کہنا چاہیے کیوں کہ یہ الفاظ تو دیسی ہوتے ہیں لیکن ان کی آوازیں بدیسی ہو جاتی ہیں ۔ایک اور صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ دیسی زبانوں کے بعض الفاظ کسی بدیسی زبان میں مستعار گئے اور اس کی مخصوص آوازوں کے ساتھ بولے گئے لیکن جب کچھ عرصے

کے بعد اپنی اپنی ابتدائی یعنی اصل زبان میں پلٹ کر آئے تو ان کے روپ بدیسی ہو چکے تھے۔ایسے الفاظ کو ہم پردیسی کہہ سکتے ہیں۔

غرض زبانوں کے باہمی لین دین کے نتیجے میں یہ پانچوں قسم کے الفاظ آج اردو میں بھی بولے جارہے ہیں:

[۱] دیسی۔ وہ الفاظ جو اردو زبان میں رائج چلے آرہے ہیں جیسے روٹی، پانی، کھیل، ناک وغیرہ۔

[۲] دخیل۔ وہ الفاظ جو غیر زبانوں کی ملکیت ہیں اور ہماری زبان میں آکر بھی اپنے اصلی روپ میں جوں کے توں بولے جارہے ہیں۔انھیں بدیسی بھی کہہ سکتے ہیں جیسے فارسی کے الفاظ: رسائی، زبان، پیہم۔انگریزی کے الفاظ: ٹکٹ، لیمپ، اسٹیشن۔عربی کے الفاظ: نظر، خلوت، مزاج وغیرہ

[۳] دیسی نما۔ وہ بدیسی الفاظ جن میں اردو کی ملتی جلتی دیسی آوازیں داخل کردی گئی ہیں۔جیسے منجور [عربی منظور]۔کاجی [عربی قاضی]۔جیادا [عربی زیادہ] وغیرہ۔ بھاری [فارسی فاری]۔جور [فارسی زور]۔سہر [فارسی شہر]۔مرگی کھانا [فارسی مرغی خانہ] وغیرہ۔ جنٹ [انگریزی جوئنٹ مجسٹریٹ]۔ لاٹ [انگریزی لارڈ]۔ جرنیل، جنریل [انگریزی جنرل] لیکن الفاظ کی یہ قسم صرف عوام کی بول چال میں سنائی دیتی ہے پڑھے لکھے انھیں بول چال تو درکنار تحریروں میں بھی استعمال نہیں کرتے

[۴] دخیل نما۔وہ دیسی الفاظ جن میں بدیسی آوازیں داخل کردی گئی ہیں۔انھیں بدیسی نما بھی کہہ سکتے ہیں۔ہمارے یہاں پڑھے لکھوں کی نہ صرف بول چال بلکہ تحریروں میں بھی ان کی بہت بڑی تعداد ملتی ہے۔ان کی اصلیت کا سراغ لگانا بہت بڑا دردسر ہے۔انھیں میں سے کچھ پیش نظر کتاب میں بھی زیر بحث آئے ہیں۔

[۵] پردیسی۔اردو کے وہ دیسی الفاظ جو بدیسی زبانوں میں مستعار جا کر بدلے

گئے اور پھر اسی بدلے ہوئے روپ میں واپس آئے جیسے سنسکرت سے آشا [اردو آس بہ معنی امید] ۔شکتی [اردو سکت بہ معنی طاقت، زور] شالا [اردو سال، سالا بہ معنی گھر، مکان] ۔ چتر نگ [اردو چورنگ چوڑنگ] وغیرہ۔عربی سے شطرنج [اردو چوڑنگ] ۔صندل [اردو چندن] ۔کافور [اردو کپور] وغیرہ۔انگریزی سے بیرا [اردو بیرا، بہرا، خدمت گار] ۔شیمپو [اردو چمپو] ٹینک [اردو ٹنکی] ۔انگریزی کوٹ [اردو کھاٹ] وغیرہ۔

اردو میں رائج مندرجہ بالا پانچوں قسم کے الفاظ کے علاوہ جو صرف ایک ایک معنی رکھتے ہیں، الفاظ کی دو قسمیں اور بھی ملتی ہیں جن میں سے ہر ایک سے دو دو معنی ہوتے ہیں اور جو حقیقت میں اکہرے نہیں دہرے الفاظ ہوتے ہیں اور دیسی بدیسی دو زبانوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔[ا] ہم صورت دیسی اور دخیل الفاظ مثلاً: چالاک ۔سکتہ ۔جلال ۔چہل قدمی ۔ مردہ ۔مردی ۔نمک پارے وغیرہ [۲] ہم صورت دخیل اور دخیل نما مثلاً: حال عاری ۔ محرم ۔مجال ۔ غٹھہ ۔محل ۔فن ۔شان ۔شام ۔شادی ۔ضلع ۔جعفری ۔خشکی ۔بخاری ۔چرخہ ۔ ریختہ ۔فقیر ۔خستہ ۔کوفتہ وغیرہ۔

اہل اردو ہمیشہ سے عربی فارسی زبانوں کے قریب رہے ہیں ۔ان کے بزرگ فارسی بولتے ہوئے ہی اس برصغیر میں وارد ہوئے تھے ۔اسی وقت سے عربی فارسی کی تعلیم عام چلی آرہی ہے اس لیے اردو والے ان زبانوں سے زیادہ مانوس ہیں ۔پھر اس انسیت کا ایک اور سبب اردو والوں کی مذہب اسلام سے وابستگی بھی ہے ۔فارسی عربی بھی مسلمانوں ہی کی مادری، علمی اور تہذیبی وثقافتی زبانیں چلی آرہی ہیں ۔ایک اور تیسری وجہ ان کا مشترک رسم الخط بھی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ باقاعدہ عربی فارسی پڑھنے لکھنے اور ان کے الفاظ مستعار لے لے کر اردو میں داخل کر کے بولنے کا عام رجحان ملتا ہے جس کے زیر اثر اردو زبان کے صدہا دیسی الفاظ پر عربی فارسی کے مشتقات کا گمان ہونے لگا ہے ۔عربی فارسی سے اسی قرب و انسیت کے باعث ہمارے عربی فارسی پڑھے لکھے لوگ ان کی خصوصی آوازوں کی جگہ اردو کی

دیسی آوازیں نہیں بولتے اور جوان پڑھ عوام ایسا کرتے ہیں ان کے دیسی نما الفاظ کو اردو کے لغات بلکہ اردو کی عام تحریروں میں بھی جگہ نہیں دیتے بلکہ حقارت سے کہتے ہیں کہ ان کا شین قاف درست نہیں ہے۔اس کے بالکل برعکس اردو کی دیسی آوازوں کو عربی فارسی کی خصوصی آوازوں سے بدل کر دیسی الفاظ کو بدیسی شان عطا کرتے رہتے ہیں۔

اس رجحان کا تازہ ترین ثبوت یہ ہے کہ آج کل سندھ کے مشہور قلعے ''امرکوٹ'' کو جہاں ہمایوں ایران جاتے وقت اپنے بیٹے اکبر کو چھوڑ گیا تھا اور جسے یقیناً کسی ''امر سنگھ'' نے ہی تعمیر کروایا تھا اور جس کی املا عہد اکبری کی تاریخوں میں بھی ''امرکوٹ'' ملتی ہے پاکستان ٹیلی وژن پر ''عمرکوٹ'' لکھا بولا جاتا ہے عام پڑھے لکھے لوگ فارسی لفظ ''شاہراہ'' کو بھی معرب کر کے ''شارع'' لکھ رہے ہیں۔

دیسی اور بدیسی [دخیل] الفاظ کی اصل کا سراغ لگا کر جو اپنی ابتدائی اور اصلی شکل اور معنی میں لکھے بولے جاتے ہیں بہت آسان ہے لیکن وقت طلب کام دخیل نما الفاظ کا سراغ لگانا ہے۔ایسا تو نہیں ہے کہ لوگوں نے اس طرف دھیان نہ دیا ہو لیکن انھیں کامیابی بہت کم ہوئی ہے۔اس کی پہلی وجہ جذباتیت ہے جس طرح برصغیر پاک و ہند کے ماہرین لسانیات یہاں کی دیسی زبانوں کے الفاظ کو ویدک اور سنسکرت کے الفاظ سے مشتق گردانتے اور دکھاتے چلے آرہے ہیں کیوں کہ وہ اپنے آپ کو ویدک اور سنسکرت سے جذباتی طور پر وابستہ اور زیادہ قریب محسوس کرتے ہیں لہذا ان کے نزدیک موجودہ زبانوں کا ہر لفظ سنسکرت کے کسی نہ کسی لفظ سے مشتق ہوا ہے۔اس طرح اہل اردو بھی عربی فارسی سے جذباتی طور پر وابستہ اور قریب ہیں ان کے نزدیک اردو کے الفاظ عربی فارسی کے الفاظ سے مشتق ہوئے ہیں، بلکہ ان کی مرعوبیت اور احساس کم تری کا تو یہ عالم ہے کہ وہ اردو کے الفاظ کو انگریزی تو انگریزی کسی بھی بدیسی زبان کے الفاظ سے مشتق ماننے اور دکھانے کو تیار رہتے ہیں۔جسے بعض لوگ اردو زبان سے ان کی بے وفائی بھی کہا سمجھتے ہیں۔

یہ لوگ اردو الفاظ کی اصل کا سراغ لگانے میں کبھی دیسی بدیسی ملتی جلتی آوازوں سے بھی دھوکا کھا جاتے ہیں جیسے کچھ لوگ اردو کے لفظ ''افراتفری'' کو عربی کے مرکب ''افراط وتفریط'' سے مشتق یا بگڑا ہوا گردانتے ہیں حالاں کہ انھوں نے اپنی اس کوشش میں عربی کے دونوں الفاظ کی آخری طوے کو بالکل نظر انداز کر دیا اور دونوں کے معنوی اختلاف سے بھی چشم پوشی کر گیے۔ بعض لوگ ''چپڑاسی'' کی ''چپڑاس'' کو فارسی کے مرکب ''چپ وراس'' [راست] سے مشتق بتاتے ہیں۔ کبھی لوگ ہم صورت مکتوبی رویوں سے مغالطے میں آجاتے ہیں اور اردو کے ''چالاک'' اور فارسی کے ''چالاک'' یا عربی ''صلواۃ'' اور اردو ''صلواتیں'' کو ایک سمجھ بیٹھتے ہیں اور ان کے معنوی اختلاف کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اردو والوں نے یہ الفاظ عربی فارسی سے لے کر ان کے معنی بدل دیے ہیں یعنی یہ لوگ لفظوں کے معنی کو بالکل اہمیت نہیں دیتے حالاں کہ لفظ کا اہم ترین پیکر معنوی ہی ہوتا ہے کیوں کہ زبان معنوی اظہار کے لیے ایجاد ہوتی ہے بولنے والے معنی ہی کے لیے لفظ استعمال کرتے ہیں، لفظ کے لیے معنی تلاش کرنے نہیں جاتے۔ اس قسم کی کوششیں عوامی اشتقاق کہلاتی ہیں۔

اشتقاقی کوششوں میں ایک اور دقت تجزیہ الفاظ کی ہے یعنی الفاظ کو صحیح صحیح بنیادی اور اصلی اجزا میں تقسیم کرنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی مشکل بھی ہے۔ اس کے بغیر اشتقاقی کوششوں کی کامیابی مشکوک ہی نہیں محال ہے۔

کبھی ہم لفظ کے پورے ملفوظی پیکر پر دھیان نہیں جما پاتے اور اسے ملفوظی ارکان میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ یعنی بولنے میں ہم لفظ کو جن ٹکڑوں میں بانٹ دیتے ہیں انھیں کو اشتقاقی اجزا مان کر لفظ کو معنی پہنانے لگتے ہیں اور ناکام رہ جاتے ہیں مثلاً فارسی کے لفظ ''دشمن'' دش اور من کے دو ارکان میں تقسیم کر کے بولا جاتا ہے تو ایک محقق نے انھیں کو اشتقاق کی بنیاد مان کر یوں معنی آفرینی کی۔ دش [بہ معنی برا] اور من [بہ معنی دل یا خیال]۔

اس طرح دشمن کے معنی ہوئے بُرے دل کا یا بُرے خیال رکھنے والا لیکن دشمن کے یہ معنی غلط ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ تجزیہ غلط ہے اور تجزیہ یوں غلط ہوا کہ اس کا بنیادی مادہ دش نہیں ''دشم'' ہے جس کے معنی مخالفت اور بیر کے ہیں اور ''ان'' لاحقہ فاعلی ہے چناں چہ دشمن کا تجزیہ یوں کرنا چاہیے تھا دشمن = دشم [بیر، مخالفت] + ان [لاحقہ فاعلی] یعنی دشمن = بیری مخالف۔ایک صاحب نے اردو کے لفظ ''سنگم'' کا تجزیہ یوں کیا۔سنگم = سَن [بہ معنی ساتھ] + گم [بہ معنی چلنا، جانا] یعنی سنگم = ساتھ ساتھ چلنا یا جانا - لیکن سنگم کے یہ معنی غلط ہیں۔اس کے معنی ساتھ ساتھ چلنے، جانے کے نہیں مقام اتصالی کے ہیں۔یہاں معنی اس لیے غلط نکلے کہ اس کا تجزیہ صحیح نہیں کیا گیا کیوں کہ ''سن'' کے معنی ''ساتھ'' کے نہیں بلکہ ''سنگ'' کے معنی ساتھ اور ہمراہی کے ہیں۔لہٰذا اس کا صحیح تجزیہ یوں ہے۔سنگم = سنگ [ساتھ، ہمراہی] +ام [لاحقہ نسبتی] چناں چہ سنگم کے معنی نکلے ساتھ ہونے کا مقام یا ہمراہی کا محل۔

کبھی لفظ کو ہم مکتوبی پیکر کے مطابق اسے مہمل اجزا میں تقسیم کر دیتے ہیں چناں چہ لفظ ''برسی'' کو ''بر'' اور ''سی'' کے اجزا میں بانٹنا بھی غلط ہے کیوں کہ یہ دونوں ٹکڑے مہمل ہیں۔فارسی لفظ چرخہ کو چر اور خہ کے دو ٹکڑوں میں بانٹ دینا بھی غلط ہے کیوں کہ یہ دونوں اجزا بھی مہمل ہیں۔اس لفظ کا صحیح تجزیہ یوں ہے۔چرخہ = چرخ + ہ [ہائے مختفی]۔اسی طرح اس کے متبادل یونانی لفظ ''سرکس'' کو سر اور کس کے مہمل اجزاء میں تقسیم کرنا غلط اور سرک [گولائی] +اس [لاحقہ نسبتی] بہ معنی دائرہ، گھیرا میں تقسیم کرنا صحیح ہے۔

اس کے علاوہ اردو کے لہجے میں اختصار کا رجحان بھی ملتا ہے۔تجزیۂ الفاظ میں اس کا بھی دھیان رہنا ضروری ہے مثلاً چغل خور ''چغل'' اور ''خور'' سے نہیں چغلی اور خور سے مرکب ہے۔چغلی کا لاحقہ ''ی'' مرکب بناتے وقت لہجے کے اختصاری رجحان کے باعث ساقط کر دیا گیا۔اسی طرح گھڑسوار = گھوڑا سوار۔بگ ٹٹ = باگ ٹوٹ وغیرہ۔لہجے کے اختصاری رجحان کے علاوہ دوسری زبانوں کی طرح اردو زبان میں بھی ادغام کے کچھ اصول

ہیں جو تجزیے کے وقت پیش نظر رہنا چاہئیں مثلاً ''چمپئی'' کے اجزا نہ ''چم'' اور ''پئی'' ہیں نہ ''چمپ'' اور ''ای'' یا ''ئی'' ہیں بلکہ ''چمپا'' اور ''ای'' ہیں جس کے معنی ہوئے چمپا کا یا چمپا کا سا ہلکا زرد رنگ ۔بعض بعض الفاظ میں یہ دونوں اصول کارفرما ہوتے ہیں مثلاً ''اگرئی'' عہد شاہجہانی کی اس پلٹن کا نام تھا جو شہر آگرہ کے رہنے والے سپاہیوں پر مشتمل تھی ۔لہٰذا لفظ ''اگرئی'' کا صحیح تجزیہ یوں ہوگا۔ آگرا + ای بہ معنی آگرے کی ۔اس کے پہلے جزو کا ابتدائی الف لہجے کے اختصاری رجحان کے باعث ممدودہ سے مقصورہ کرلیا گیا اور آخری الف ادغام کے باعث صرف زبر رہ گیا یا مثلاً ''بنفشئی'' کے اجزا نہ ''بنف'' اور ''شئی'' ہیں اور نہ ''بنفش'' اور ''ئی'' ہیں بلکہ ان کے صحیح اجزا ''بنفشہ'' اور ''ی'' ہیں جس کے معنی ہیں بنفشے کا۔ چوں کہ لفظ ''بنفشہ'' کی آخری ہائے مختفی بھی الف کی طرح بولی جاتی ہے اس لیے ترکیب میں وہ بھی ساقط ہو کر اس لفظ میں صرف زبر بن کر رہ گئی۔

ادغام ہی کے ایک اور اصول کے باعث مرکب میں دوسرے جزو کا ابتدائی الف مقصورہ طویل ہو جاتا ہے۔ جیسے بکرماجیت = بکرم + آجیت [= اجیت نا قابل فتح]۔ اٹاوا = اٹ [اینٹ] + آوا [= آوا] پزاوہ]۔ اس کے معنی ہوئے اینٹوں کا پزاوہ۔ تراسی = تر [تین] + آسی = اسّی] تین اور اسّی وغیرہ۔

آخر میں ایک نسبتاً طویل لفظ بھلمنساہت پر غور کیجیے ۔اس کے اجزا نہ بھل، من، سا اور ہت ہیں۔ نہ بھل، من اور ساہت ہیں ۔ نہ بھل، منسا اور ہت ہیں کیوں کہ یہ سب مہمل ہیں ۔اس کے صحیح بنیادی اجزا بھل، منس اور آہت ہیں جو بھلا اور مانس پر لاحقہ نسبتی ''آہت'' [اصل ''ات''] کے اضافے سے بنایا گیا ہے۔ چناں چہ بھلمنساہت = بھلا + مانس + آہت جس کے معنی ہوئے بھلامانس پن، شرافت، انسانیت۔

غرض لسانی نقطۂ نظر سے صحیح اشتقاقی تجزیہ وہ ہے جو لفظ کے ان تینوں پہلوؤں یا پیکروں پر یکساں نظر رکھ کر اور انھیں برابر کی اہمیت دے کر کیا جائے جن کا شرح اور مفصل

ذکر شروع ہی میں کیا جا چکا ہے۔اردو میں دخیل نما الفاظ کے اشتقاق پر ابھی تک ایسی کوئی منظم اور سنجیدہ کوشش سامنے نہیں آئی ہے۔یہی اس کتاب کی وجہ تصنیف ہے جس میں تقریباً ۱۲۹۲ الفاظ کی تشریح کی گئی ہے۔

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔پہلے حصے میں اردو زبان میں بولے جانے والے دخیل الفاظ کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں دخیل آوازوں سے بننے والے دخیل نما الفاظ کی تفصیل وتشریح پیش کی گئی ہے جن میں اضافے کی مزید گنجائش موجود ہے۔ان کی قطعی اور آخری فہرست کا کبھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ بول چال ایک نامیاتی عمل ہے۔ان الفاظ کے مختلف معنی بیان کرتے وقت ثبوت کے لیے کہیں کہیں اردو بول چال کے جملے بھی لکھ دیے گئے ہیں البتہ اردو میں تبادل اصوات کے جن مروجہ اصولوں سے الفاظ کے بہروپ حاصل کیے گئے ہیں ان کی نشان دہی اور تشریح کے لیے اس کتاب میں وقت اور جگہ دونوں کی کمی تھی۔ان کے لیے میری کتاب ''اردو زبان میں الفاظ سازی'' یا ''اردو زبان کا صوتی نظام'' کی طرف رجوع کرنا مفید ہوگا البتہ ان الفاظ میں جو بدیسی آوازیں دیسی آوازوں کی جگہ داخل کی گئی ہیں ان کا ایک نقشہ نیچے دیا جاتا ہے۔

دخیل آواز	بجائے	دیسی آواز
ح	″	ا، ہ
ع	″	ا
ف	″	ب، پھ
ط	″	ت
ذ، ز، ض، ظ	″	ج، جھ
ث، ش، ص	″	س
خ	″	ک، کھ

غ	،	گ
ق	،	ک

اے۱۰۲، سیکٹر ۱۱۔بی
نارتھ کراچی ٹاؤن شپ
کراچی

سہیل بخاری
یکم جنوری ۱۹۸۸ء

باب اول

حصہ اوّل

اُردو زبان میں دخیل الفاظ

دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس میں کسی دوسری زبان کے الفاظ نہ پائے جاتے ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو قوموں میں ملاپ ہوتا ہے تو ان کی زبانیں بھی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے ذخیرے سے تھوڑے بہت الفاظ ضرور لے لیتی ہیں جو اپنے بیگانہ ماحول میں دخیل کہلاتے ہیں۔ ان کی اہمیت اس لیے مسلمہ ہے کہ یہ ہمیں دو قوموں کے تعلقات اور ان کی نوعیت [مذہبی، سیاسی، فوجی، سماجی وغیرہ] سے آگاہی بخشتے ہیں جو ماضی کے کسی عہد میں استوار ہوئے تھے اور یوں تاریخ عالم کے ان گوشوں کو روشن کرتے ہیں جو ابھی تک پردہ تاریکی میں ہیں اور جن تک ہماری رسائی کے تمام وسائل ختم ہو چکے ہیں۔ چناں چہ اس اعتبار سے کہ ازمنۂ قدیم کے حالات کا سراغ لگانے کے لیے زبان اور زبان کے الفاظ ہی ہمارا واحد وسیلہ اور آخری سہارا ہیں۔ دو قوموں کے ارتباط باہمی سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دخیل الفاظ کی قدر و قیمت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

ماضی کے کسی دور میں ہندوستان پر موجودہ روسی ترکستان کے آریہ قبائل کی ترک تاز اس برصغیر کی تاریخ کا وہ اہم واقعہ ہے جس کے باعث دو قوموں [آریہ اور دراوڑ] میں ایک ایسا تصادم ہوا تھا کہ اس کے اثرات زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح آج ہندوستانی لسانیات میں بھی اچھی طرح محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ یہ او روقت تھا جب اردو زبان نے ہندوستان کی دوسری

زبانوں کی طرح پہلی بار آریوں کی آبائی زبان [اصطلاحاً اوستائی] کے حلقہ اثر میں آ کر وہ اوری کی آوازیں قبول کی تھیں جو بادی النظر میں اس کا گوشت و پوست معلوم ہوتی ہیں لیکن ذرا سے تامل پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ آریوں کے حملے سے پہلے ہمالیہ کے اس پار کی زبانوں میں جنھیں بجا طور پر ہندوی اور دراوڑی کہا جا سکتا ہے یہ آوازیں نہیں ملتی تھیں۔ چناں چہ آج بھی ہماری زبانوں کا تلفظ جو ہزاروں سال سے زبانوں پر بکمال صحت کے ساتھ منتقل ہوتا چلا آیا ہے پکارے گلے بتا رہا ہے کہ یہ آریائی ملمع ہماری آواز کی ہلکی سی آنچ سے صاف اتر جاتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اس زمانے میں اردو زبان نے بہت سے آریائی الفاظ بھی مستعار لیے ہوں گے کیوں کہ زبانوں میں آوازوں کے لین دین کا نمبر الفاظ کے لین دین کے بعد آتا ہے لیکن اس زمانے کی ایسی کوئی دستاویزی شہادت اس وقت سامنے نہیں ہے جس سے اردو میں دخیل الفاظ کی قطعی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اردو اور اس کی معاصر زبانوں میں آج جو سنسکرت الفاظ پائے جاتے ہیں وہ آریوں کی بول چال سے نہیں آئے بلکہ ان کی تحریری زبان سنسکرت سے لیے گئے ہیں اس لیے ان کا جو تلفظ آج عام طور پر کیا جا رہا ہے ساقط الاعتبار ہے کیوں کہ سنسکرت اور ویدک کی تحریروں میں قدیم ایرانی اور مختلف ہندوی بھاشاؤں [بول چال کی زبانوں] کے الفاظ کتابت کے مخصوص اصولوں کے تحت درج کیے گئے ہیں اور اصول اولین شارح رگ وید یاسک منی کی تحریر کے مطابق زیادہ سے زیادہ چھ سو سال قبل مسیح تک عالموں کے حیطۂ علم سے باہر ہو چکے تھے حالاں کہ ان زبانوں میں یہ الفاظ حقیقت میں وہی ہیں جو آج ترکستان میں بولے جا رہے ہیں یا پاک و بھارت کی مختلف زبانوں میں رائج ہیں۔ مثلاً

سرجن ہار فارسی سرزن، اردو علامت فاعلی آر، پیدا کرنے والا۔ آشا اردو آس۔ اوستائی علامت تانیث "آ"۔ جیون = ایرانی زیون۔ سنگم = ایرانی سن بمعنی ساتھ۔ گم بمعنی چلنا، ہم قدمی۔ گیان = ایرانی زان، دان، بمعنی علم۔ ایشور = ایرانی ایز ور بمعنی معبود۔ گیانیشور = دانش ور وغیرہ۔

اردو میں دخیل اور دخیل نما الفاظ

اردو کے دخیل الفاظ پر دوبارہ غور کرنے کے لیے ہمیں اس زمانے کا انتظار کرنا پڑتا ہے جب کہ دسویں صدی عیسوی کے لگ بھگ مسلمانوں نے ہندوستان پر درہ خیبر کی راہ سے حملہ کیا اور ایرانی بول چال کی زبان دوبارہ ان کی ہم رکابی میں یہاں پہنچی۔ یہ حملہ آور اپنے سے ہزاروں سال پہلے کے آریوں کی طرح زبان کے علاوہ اپنی لپی بھی ساتھ لائے تھے جس میں آگے چل کر یہاں کے مختلف علاقوں کی مقامی زبانیں قلم بند ہونے لگیں اور یوں اردو زبان بھی جو ان کی آمد سے قبل دیوناگری لپی ہی میں لکھی جاتی تھی ایرانی لپی کے لباس میں آگئی اور چوں کہ فارسی ہند شمالی میں مسلمان حکمرانوں کی زبان ہونے کے لحاظ سے سرکار دربار میں ۱۸۳۲ء تک مسند نشین رہی یہاں کی دوسری مقامی زبان میں بھی بے شمار فارسی اور فارسی کی وساطت سے عربی الفاظ داخل ہو گئے۔

اس کے برعکس ہند جنوبی میں فارسی کو راج پاٹ کا کبھی موقع نہیں ملا بلکہ ابتدا ہی سے دکنی زبان اس منصب پر بڑے اطمینان و اعتماد کے ساتھ براجمان رہی جو اس کا پیدائشی حق تھا اس لیے دکن میں دخیل الفاظ کی تعداد تلفظ اور املا وغیرہ مقامی اصول وقواعد کے پابند رہے جب کہ شمال میں اردو زبان عربی فارسی سے اس حد تک دب گئی کہ اس میں دخیل الفاظ کا تناسب دکن کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو گیا اور تلفظ و املا بھی قریب قریب اسی طرح جاری رہے طرح عربی فارسی میں تھے بلکہ ان زبانوں نے اردو میں اپنی بہت سی آوازیں بھی داخل کر دیں اور اس کے بہت سے الفاظ کو یوں تبدیل کر دیا کہ وہ اپنی ہی زبان میں دخیل نظر آنے لگے مثلاً پٹخنا [اصل پٹکنا]، چٹخنا [اصل چٹکنا]، اخروٹ [اصل اکھروٹ]، شراتا [اصل سراتا]، زناتا [اصل جھناتا]، زپاتا [اصل جھپاتا]، خصم [اصل کھسم]، زق زق بق بق [اصل جھک جھک بک بک] وغیرہ

عربی فارسی کے دخیل الفاظ کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اردو کی بہت سی مروجہ فرہنگوں اور تحریروں میں دیسی الفاظ کے مقابلے میں دخیل الفاظ کی تعداد آٹے میں نمک کے بجائے نمک میں آٹے کے مصداق نظر آتی ہے۔ انشاء اللہ خاں کی "رانی کیتکی کی کہانی" اور آرزو لکھنوی کے دیوان "سریلی بانسری" کو چھوڑ کر جن میں دخیل الفاظ سے جان بوجھ کر اور کوشش

کر کے دامن بچایا گیا ہے اور جنھیں دیسی زبان کی صلاحیتوں کو روشن کرنے کے لیے نمونہ بنا کر پیش کیا گیا ہے اردو زبان کے اس سرمائے کو جو فارسی لپی میں ہے وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ اوّل سے آخر تک دیکھا جائے تو یہی گمان گزرے گا کہ اردو زبان فارسی عربی سے براہ راست نہیں تو کم از کم ان کی وساطت سے ضرور پیدا ہوئی ہے۔اس صورت حال سے زبان اردو کے بعض مورخین کی معذوری کا بھی پہلو نکلتا ہے جنھوں نے بول چال کی زبان کے بجائے اسی ادبی سرمائے پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے۔

اس سلسلے میں ادب اردو کے چند نامور شعرا نے جن کی ابتدا حاتم اور مرزا مظہر جان جاناں سے ہوتی ہے اپنے اپنے زمانے میں جو کوششیں اصلاح زبان کے نام سے کی ہیں حقیقتاً اور عملاً تفریس شاعری کے نام سے موسوم ہونا چاہئیں کیوں کہ فارسی لپی میں منتقل ہونے کے بعد اردو شاعری دیسی عروض سے کٹ کر مکمل طور پر ایرانی شاعری کی لونڈی بن گئی تھی اور تفریس شاعری کو زیادہ سے زیادہ کامیاب اور مکمل بنانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ زبان کے دیسی الفاظ نکال کر ان کی جگہ عربی فارسی کے زیادہ سے زیادہ لغات داخل کر دیے جائیں چوں کہ شاعری ایک موثر پیرایۂ بیان ہے اس لیے شعرا کی ان کوششوں سے اردو کے پڑھے لکھے طبقے کا اثر قبول کرنا ناگزیر تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ جس انشا پرداز نے بھی قلم ہاتھ میں اٹھایا اس نے اپنے پیش رو سے زیادہ عربی فارسی الفاظ اردو زبان میں داخل کر دیے اور اب یہ حال ہے کہ ہم کٹھن سے کٹھن موقع پر بھی دخیل الفاظ پیش کر سکتے ہیں لیکن دیسی الفاظ پوچھیے تو بغلیں جھانکنے لگیں گے۔

اردو کی تیسری بار ٹکر انگریزی زبان سے ہوئی جو مسلمانوں کے حملے کے تقریباً پانچ چھے سو سال کے بعد سات سمندر لانگھ کر انگریزوں کے ساتھ سورت کے بندرگاہ پر اتری۔اگر چہ ولندیزی، پرتگالی اور فرانسیسی زبانیں انگریزی سے پہلے یہاں آ چکی تھیں جن کے چند الفاظ اردو میں آج بھی ملتے ہیں پھر بھی اردو سے ان کا اتنا بلا واسطہ اور گہرا تعلق قائم نہیں ہوا جتنا انگریزی زبان سے۔اس لیے دخیل الفاظ کے سلسلے میں ان کی اتنی اہمیت بھی نہیں ہے۔ہندوستان میں

انگریزوں کا دور حکومت تقریباً دو سو سال تک جاری رہا جس میں انھوں نے اپنی زبان کو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچانے اور پھیلانے کی جان توڑ کوشش کی بلکہ ۱۸۳۲ء میں فارسی کی گدی چھین کر بہ ظاہر جو انھوں نے اردو کو سرکاری زبان بنایا تھا۔اس میں بھی یہ مصلحت پوشیدہ تھی کہ اردو کی آڑ میں انگریزی کو راج سنگھاسن پر بٹھادیں اور اس میں وہ اتنے کامیاب رہے کہ انھیں ہمارا ملک چھوڑے ہوئے تقریباً چالیس سال ہو چکے ہیں لیکن انگریزی ابھی تک جہاں تہاں جمی ہوئی ہے بلکہ اس کی پوزیشن پہلے سے کچھ زیادہ ہی مضبوط ہوگئی ہے۔اس اتصال سے انگریزی کے بہت سے الفاظ اردو زبان میں داخل ہوئے جو آج خواص سے گزر کر عوام کی زبانوں پر بھی جاری ہیں۔

غرض اردو دیوناگری لپی میں سنسکرت سے الفاظ لیتی رہی۔ایرانی لپی میں فارسی عربی لغات جذب کرتی رہی اور آخر میں آکر انگریزی سے بھی خوشہ چینی کرنے لگی۔اس طرح ہماری زبان میں بے شمار دخیل الفاظ جمع ہو گئے ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے فارسی عربی یا انگریزی کا بہت زیادہ مطالعہ کیا ہے وہ ان زبانوں میں بڑی آسانی کے ساتھ اظہار خیال کر سکتے ہیں جب وہ اردو میں لکھنے بیٹھتے ہیں تو وہی الفاظ جو ان کے ذہن میں گردش کرتے رہتے ہیں اپنی تحریروں میں درج کر دیتے ہیں اور یوں اردو زبان کے الفاظ تلاش کرنے کی زحمت سے بچ جاتے ہیں۔یہ تن آسان لوگ عادۃً دخیل الفاظ استعمال کرنے اور قصداً کدوکاوش سے کتراتے ہیں اس جماعت میں ان لوگوں کا بھی شمار ہے جن کو اردو کم آتی ہے اور اپنی کمی کو اردو کے مزید مطالعے کے بجائے دخیل الفاظ سے پورا کر کے اپنا کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

بعض لوگ صرف اس لیے دخیل الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ دوسروں پر اپنے علم و فضل کی دھاک بٹھائیں۔یہ لوگ غیر زبانوں کی فرہنگوں سے تلاش کر کے بڑے بڑے ثقیل اور نامانوس الفاظ لاتے ہیں اور چٹانوں کی طرح اپنی تحریروں میں لڑھکا دیتے ہیں اور پھر ان تحریروں کو انشاپردازی اور ادب کے بہترین نمونوں اور شاہکاروں کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ان کے نزدیک دوسروں کے آسان، ہلکے پھلکے اور بول چال کے لفظ گنوارو اور غیر فصیح ہوتے ہیں اور

مصنفین کی کم علمی اور بد ذوقی پر دلالت کرتے ہیں۔غرض ان کا رویہ احساس کمتری کا غماز ہے۔ پھر کچھ لوگ عربی الفاظ کی طرف اس لیے زیادہ مائل ہوتے ہیں کہ عربی ہماری مذہبی زبان ہے اور قرآن مجید اس میں نازل ہوا ہے۔بعض فارسی سے بھی کچھ ایسی ہی شدید وابستگی محسوس کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی تہذیبی زبان ہے اور پھر کچھ ایسے بھی ہیں جو انگریزی سے مرعوب ہیں کہ یہ ان کے نزدیک بین الاقوامی زبان ہے چناں چہ اس جماعت والے بھی کسی نہ کسی غیر زبان کے شیدائی نظر آتے ہیں۔

بہر حال دخیل الفاظ سے کچھ فائدے بھی ہوتے ہیں۔ان کی مدد سے خیالات کا ذرا ذرا سا فرق بڑی آسانی سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ان کے استعمال سے خیالات کی حدود قطعی اور خطوط واضح ہو جاتے ہیں۔دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لکھنے والا ایک ہی لفظ کو بار بار دہرانے سے بچ جاتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دخیل الفاظ سے زبان کے سرمایے میں اضافہ ہوتا ہے۔جس زبان میں دوسری زبانوں کے مقابلے میں زیادہ الفاظ پائے جاتے ہیں وہ باثروت سمجھی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے اردو زبان اس برصغیر کی تمام زبانوں پر سبقت لے گئی ہے کہ کسی زبان کا اثاثہ اس کے ذخیرۂ الفاظ کے سامنے نہیں ٹھہرتا بلکہ ہم اس کے سرمایے کو نہایت فخر کے ساتھ دنیا کی کسی بھی زبان کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

ان تمام فائدوں کے ہوتے ہوئے جن کا ذکر اوپر کیا گیا دخیل الفاظ کے استعمال میں کچھ نقصانات بھی مضمر ہیں بلکہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ نقصانات کی تعداد اور اہمیت فوائد سے زیادہ ہے۔کسی زبان میں الفاظ کی تعداد زیادہ ہو جانے سے بولنے والوں کے حافظے پر غیر معمولی بار پڑ جاتا ہے چناں چہ ہم لوگوں کو اردو الفاظ کے علاوہ ان الفاظ کو بھی یاد کرنا پڑتا ہے جو سنسکرت، فارسی، عربی اور انگریزی سے مستعار لیے جا چکے ہیں اور جب مستعار لینے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا ہمارے حافظے پر بوجھ بھی برابر بڑھتا رہے گا۔یہ صورت حال حد درجہ مصنوعی اور محنت طلب ہے۔

دخیل الفاظ کے باعث زبان میں بہت سے مقامات پر الجھنیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں جن میں اردو زبان کے لب و لہجے کے باعث ابہام پیدا ہو جاتا ہے مثلاً سحر اور صہر۔ثواب اور صواب۔بہر [واسطے] اور بحر [سمندر] وغیرہ۔بعض ایسے ہیں جو ہماری زبان کے لب و لہجے سے میل نہیں کھاتے مثلاً شمع، طرح، صبح وغیرہ کہ عربی میں ان کا درمیانی حرف ساکت اور آخری متحرک ہوتا ہے اور اس کا لہجہ اس کو قبول نہیں کرتا۔بعض دخیل الفاظ ایسے ہیں جن کی مکتوبی اور ملفوظی صورت مختلف زبانوں میں ایک ہی ہے لیکن معنی جدا جدا ہیں مثلاً کسر [اردو کمی۔عربی ٹکڑا]، سل [اردو پتھر کا ٹکڑا۔عربی دق کی بیماری]، کوٹ [اردو قلعہ، انگریزی ایک لباس]، بر [اردو بھڑ بمعنی زنبور، فارسی اوپر، عربی خشکی]، چال [اردو رفتار، فارسی گڑھا]، بال [اردو رواں، فارسی پر، انگریزی گیند] وغیرہ۔

تیسرا نقصان یہ ہے کہ دخیل الفاظ کے لیے زبان میں ایک ترجیحی رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور لوگ ان کے حق میں اپنی زبان کے الفاظ سے دست کش ہو جاتے ہیں۔یوں متروکات کی تعداد روز بروز بڑھتی اور زبان کی اصل پونجی گھٹتی چلی جاتی ہے مثلاً جب اردو والے نکاس کی جگہ سرچشمہ یا منبع، ٹھیٹھ کی جگہ خالص، سامنے کی جگہ روبرو یا مقابل، آنگن کی جگہ صحن، اوجھل کی جگہ پوشیدہ پکڑ کی جگہ گرفت، لگاتار کی جگہ متواتر یا علی التواتر یا علی الاتصال لکھتے پڑھتے رہیں گے تو ایک دن ایسا آجائے گا کہ اردو کے الفاظ حافظے اور علم سے بھی محو ہو جائیں گے۔آج بھی اردو میں جتنے دخیل الفاظ استعمال ہو رہے ہیں ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے ٹھیٹھ مترادفات کی اب شناخت بھی مشکل ہو گئی ہے مثلاً فطرت یا قدرت یا نیچر تہذیب یا کلچر، حرف، تلفظ، کاغذ، دوات، روشنائی، دروازہ یا دوار، الماری، برج یا گمبد وغیرہ۔

دخیل الفاظ زبان کی بالیدگی میں بھی حارج ہوتے ہیں۔جب وقت کی تبدیلی کے ساتھ کوئی نیا خیال یا نئی چیز کسی زبان کے بولنے والوں کے سامنے آتی ہے تو یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جاہل اور بے پڑھے انسان بھی اس کے لیے لفظ سازی کے انھیں اصولوں سے جو اس زبان میں پیشتر سے موجود ہوتے ہیں اپنے ہی کسی مروجہ لفظ سے ایک نیا لفظ گھڑ لیتے ہیں لیکن جب غیر

زبان کے جنے بنائے لفظ سے ضرورت رفع کر لی جاتی ہے تو اہل زبان کو اپنی زبان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ لہٰذا اردو زبان میں دوسری زبانوں سے جتنے زیادہ الفاظ داخل ہوتے رہیں گے اس کے ارتقا کے امکانات اتنے ہی کم ہوتے چلے جائیں گے کیوں کہ زبان اپنی ہی داخلی قوت سے فروغ پاتی اور آگے بڑھتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اردو زبان میں بعض دخیل الفاظ کا استعمال ہمارے لیے ضروری ہے، مثلاً مسلمانوں کی مذہبی اصطلاحات اور ان کی معاشرت کے لوازمات [کھانوں اور کپڑوں وغیرہ] کے ایرانی و عربی نام جو ہماری یومیہ زندگی کا جزو ہیں۔ یہ چیزیں مسلمانوں سے مخصوص ہیں اور ان کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئی ہیں۔ ایجادات کے نام جو مغرب سے اپنے موسومات کے ساتھ ہمارے ملک میں آئے ہیں اور سائنسی اصطلاحات جو اردو میں عام ہو چکی ہیں لیکن سنسکرت الفاظ کو استعمال کرنا اردو زبان میں بناوٹی پن کو فروغ دینا ہے کیوں کہ ان کے مکتوبی اور ملفوظی رویوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ چوں کہ ایک خاص سطح تک سائنسی معلومات بھی دنیا کی روزانہ زندگی میں داخل ہو چکی ہیں اس لیے اس حد تک ہمیں اپنی ہی زبان سے سائنسی اصطلاحیں وضع کر کے کام چلانا چاہیے کہ وہ زیادہ عام فہم ہوں گی اور ان کے ذریعے سے روزمرہ کی سائنس تک ہماری قوم کے ہر فرد کی رسائی بآسانی ہو سکے گی۔ البتہ اعلا تحقیقات کی سطح پر جب تک ہمارے یہاں سائنسی اصطلاحات مکمل طور پر نہ بن جائیں انھیں انگریزی اصطلاحات کو استعمال کر سکتے ہیں جو بیشتر یونانی و لاطینی زبانوں کی تحریروں سے اخذ کی گئی ہیں اور جن کے صحیح ملفوظی روپ ہمیں قدیم و جدید فارسی سے ایک نہ ایک دن ضرور دستیاب ہو جائیں گے کیوں کہ یہ سب زبانیں باہم رشتے دار ہیں۔ اس وقت ہم پاکستانیوں کے سامنے ایک اور بھی تجویز موجود ہے۔

جب یہ مسلّم ہے کہ دخیل الفاظ ہر زبان کا ایک ناگزیر جزو ہوتے ہیں اور ہمیں بھی اردو زبان کے لیے ان کی ضرورت و اہمیت سے انکار ممکن نہیں تو بہتر یہ ہے کہ ہم بدیسی الفاظ کی جگہ پاکستان ہی کی علاقائی زبانوں کے لغات سے کام لیں کہ ان کا حق بدیسی الفاظ پر مرجّح ہے اور اس

لیے مرجح ہے کہ اردو اور علاقائی زبانوں میں مشترکہ ہندوی اور دروراوڑی خاندان کے باعث بنیادی اور مزاجی ہم آہنگی پائی جاتی ہے جب کہ فارسی، آریائی عربی، سامی اور انگریزی اینگلوسیکسن خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے اور لسانی خاندانوں کا بنیادی فرق اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اردو اور سندھی یا اردو اور پنجابی میں اتنا فرق نہیں ہے جتنا اردو اور فارسی میں یا اردو اور انگریزی میں پایا جاتا ہے اور اس فرق کا دخیل الفاظ کی موزونیت یا ناموزونیت میں بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

الغرض دوسری زبانوں سے بے تامل الفاظ پر الفاظ لیتے چلے جانا نہ صرف غیر ضروری بلکہ اردو کے لیے الٹا نقصان دہ ہے اس لیے ہمیں سب سے پہلے یہ چاہیے کہ اپنی ہی زبان کے بنیادی ذخیرے اور اس کی صلاحیتوں کا بھرپور جائزہ لے کر اس کی توانائی پر اپنا اعتماد بحال کریں اور اردو کی کم مائگی کا مفروضہ قائم کرنے والوں کے پروپیگنڈے میں نہ آئیں۔ دخیل الفاظ کی تعداد کو ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھنے دیں۔ موجودہ دخیل الفاظ کے استعمال میں احتیاط اور اعتدال سے کام لیں اور آئندہ جب کسی لفظ کی ضرورت پڑے تو بدیسی زبانوں کی جگہ اپنی ہی علاقائی زبانوں سے امداد طلب ہوں کہ اس سے اردو کے سمجھنے والوں کا دائرہ وسیع ہوگا اور تمام اہل وطن اس کے واسطے سے اتحاد و یگانگت کی ایک ہی لڑی میں منسلک ہو جائیں گے۔

باب دوم

حصہ دوم

اُردو زبان میں دخیل الفاظ

ح: کے داخلے سے بننے والے الفاظ

ح عربی زبان کی خصوصی آواز ہے۔ جسے حائے حطی کہتے ہیں۔ یہ اردو یا فارسی کی بنیادی آوازوں میں شامل نہیں ہے البتہ ہمارے یہاں ملتی جلتی ایک ہے [ہ] ہے جسے عربی میں ہائے ہوز کہتے ہیں لیکن اس کا تلفظ حائے حطی سے مختلف ہے۔ ح کا حرف ہمارے یہاں تحریر میں عربی کے ساتھ آیا ہے اور عربی الفاظ میں استعمال ہوتا ہے۔ اردو والے دونوں میں فرق کرنے کے لیے ہائے ہوز کو چھوٹی "ہے" اور حائے حطی کو بڑی "ح" کہتے ہیں۔ لیکن آواز ایک ہی سی نکالتے ہیں چناں چہ ہمارے عوام عربی کی حائے حطی کو بھی ہائے ہوز کی طرح بولتے ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگ بھی بولتے تو اسی طرح ہیں لیکن اردو کے بعض الفاظ میں ہائے ہوز کو حائے حطی سے بدل کر لکھتے ہیں۔ نتیجاً ایسے ہی کچھ الفاظ کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

حرص۔ عربی میں لالچ کو حرص اور لالچی کو حریص بولتے ہیں جیسے انسان کو دولت کی حرص پریشان رکھتی اور چکر کھلاتی رہتی ہے لیکن اس لفظ کا اردو میں مطلب قدرے مختلف بھی لیا جاتا ہے۔ جیسے غریب آدمی کو پیسے والوں کی حرص نہیں کرنا چاہیے۔ یہاں حرص سے مراد تقلید یا نقل ہے چناں چہ یہ معنوی اختلاف اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں زبانوں کے یہ الفاظ بھی ایک دوسرے سے الگ

ہیں ۔چناں چہ اردو حرص کا اصلی روپ ''ہرس'' ہے جس کا بہروپ ''ہونس'' ہے اور معنی نقالی یا ریس کے ہیں ۔اسی لیے نقالی یا تقلید کرنے اور پیچھے چلنے والے کو ہرسیا یا ٹٹو بھی کہتے ہیں ۔

حقّہ ۔عربی میں ڈبیا اور فریب کو کہتے ہیں لیکن اردو میں یہ ایک قسم کی کل ہوتی ہے جس کے ذریعے سے تمباکو پی جاتی ہے ۔عربی میں اس کل کو قلیان اور فارسی میں غلیان بولتے ہیں ۔معنی کا یہ فرق بتاتا ہے کہ عربی کا حقہ اردو کے حقے سے مختلف تلفظ ہے ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی اصل ''ہکّا'' ہے جس کے بہروپ ''ہوکا'' ''ہک ہکا'' اور ہوڑکا [ہڑکا] ہیں ۔اس لفظ کی ہائے ہوز کو حائے حطی سے ک کو ق سے اور آخری الف کو ہائے مختفی سے بدل کر معرب کیا گیا ہے ۔

محال ۔عربی میں ناممکن کو کہتے ہیں لیکن اردو میں یہ اسم ہے اور زمین کی ایک تقسیم کا نام ہے جس کی مزید چھوٹی تقسیم کو ''پٹی'' کہتے ہیں ۔یہ عربی کے لفظ ''محال'' سے مختلف لفظ ہے ۔اس کی اردو اصل ''مہال'' ہے جس کے بہروپ منڈھال اور مڑھال ہیں ۔اس کے معنی زمین کا آباد علاقہ یا حصہ ہے ۔

محلہ ۔شہری آبادی کے ایک حصے کو محلّہ کہتے ہیں ۔جس میں مکانات کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہوتی ۔یہ لفظ عربی زبان میں ان معنوں میں نہیں بولا جاتا صرف اردو ہی میں مستعمل ہے اس لیے یہ لفظ اردو کا ہے اور اس کی صحیح املا ''مہلا'' ہے ۔تشدید دور کرنے پر اس کی شکل مہالا [مہال ''آ''] ہاتھ آتی ہے ۔''مہال'' کے بہروپ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا منڈھال اور مڑھال ہیں جن کے معنی مکان کے ہیں اور ''آ'' لاحقہ مذکر فاعلی ہے ۔یوں محلّہ [مہلا] کے معنی مکانوں کا مجموعہ یا آبادی کا ایک حصہ ہوئے ۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ یہ لفظ ہماری زبان اردو سے بھی وابستہ رہا ہے ۔شہر اٹاوہ [یوپی، بھارت] میں آج بھی ''اردو محلّہ'' موجود ہے ۔اردو محلّہ دہلی میں بھی ۱۶۴۷ء میں بسایا گیا تھا جب شاہ جہاں بادشاہ اپنا پایہ تخت آگرے سے دہلی لے گیا تھا اور یہ وہی ''اردو محلّہ'' تھا جسے کتابوں میں ''اردوے معلّیٰ'' اور ہماری زبان کو ''زبان اردوے معلّیٰ'' لکھا گیا ہے جو رفتہ رفتہ

آگے چل کر "اردوئے معلّٰی" اور پھر صرف "اردو" کے نام سے پکاری جانے لگی۔

حـــال ۔عربی میں اس لفظ کے معنی حالت کے ہیں لیکن جب ہم اسے لفظ چال کے ساتھ "حال چال" کے مرکب میں استعمال کرتے ہیں تو یہ حال عربی کا نہیں اردو کا ہوتا ہے کیوں کہ اردو چال [بہ معنی رفتار] کے ساتھ عربی حال [بہ معنی حالت] کا تجوگ بے تکا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو حال کی اصل "ہال" [بہ معنی حرکت] ہے جس کا جوڑ لفظ چال کے ساتھ بہ خوبی بیٹھ جاتا ہے۔

"حال آنا" اردو کا ایک محاوہ بھی ہے جیسے اس تانگے میں بہت حال [ہال] آتی ہے یعنی اس تانگے میں ہلور بہت ہے یا یہ تانگا بہت ہلتا اور سواریوں کو بہت ہلاتا ہے۔قوالی کی محفلوں میں جو بعض لوگوں کو "حال" آتا ہے وہ بھی اردو کا یہی "ہال" ہے کیوں کہ جس کو "ہال" آتا ہے وہ بہت ہلتا ہے۔پرسکون ہو کر نچلا نہیں بیٹھتا۔

اردو کے اس لفظ "ہال" کی ایک اور تشریح بھی ہے۔یہ حال چال [یعنی ہال چال] کے مرکب سے پہلے آنے والا مہمل "اگوا" بھی ہے۔"اگوا" اپنے بعد میں آنے والے لفظ کا ہم قافیہ ہوتا ہے اور مہمل لفظ ہوتا ہے جو ہائے ہوز یا ہمزہ [الف] سے شروع ہوتا ہے۔چناں چہ "حال چال" [ہال چال] میں لفظ "چال" آزاد اور بامعنی لفظ ہے اور اس سے پہلے آنے والا لفظ "ہال" مہمل "چال" کا ہم قافیہ اور ہ سے شروع ہونے والا "اگوا" ہے۔اگووں والے مرکبات کی اور چند مثالیں یہ ہیں: ہیر پھیر، ہٹا کٹا، ہچر مچر وغیرہ جن میں پھیر، کٹا اور مچر بامعنی الفاظ اور ہیر، ہٹا اور ہچر مہمل اگوے ہیں۔اس "ہال" کی نسل کے دوسرے مشتقات سے بننے والے مرکبات "ہلچل" اور "ہلن چلن" بھی ہیں جن میں ہل اور ہلن مہمل، ہم قافیہ اور ہے [ہ] سے شروع ہونے والے اگوے ہیں اور "چل" اور "چلن" بامعنی آزاد الفاظ ہیں۔چناں چہ "حال چال" کی اصل "ہال چال" ہے۔

بعض الفاظ میں اردو کی اس ہائے ہوز کو بھی حائے حطّی سے بدل دیا گیا ہے جو کسی

مہاپران کی تقسیم کے نتیجے میں پیدا ہو جاتی ہے۔مثال یہ ہے:

بحال ۔یہ لفظ بہ صورت ظاہر فارسی کے حرف جار "ب" اور عربی کے لفظ "حال" سے مرکب ہے لیکن عربی میں نہیں بولا جاتا۔صرف اردو بول چال میں آتا ہے اور درست اچھا اور صحیح کے معنی دیتا ہے جیسے احمد کچھ دن سے بیمار تھا لیکن اب کی طبیعت بحال ہو گئی ہے۔یہ لفظ ویسے بھی عربی کا نہیں ہو سکتا کیوں کہ عربی "حال" کے معنی حالت کے ہیں جو درست اور نا درست کیسی بھی ہو سکتی ہے جب کہ بحال کا لفظ صرف درست کے معنی دیتا ہے۔اس لیے یہ اردو ہی کا حال ہے جس کی اردو اصل "بہال" ہے جو لفظ "بہال" [بہ معنی بھلا، بھلی، درست، اچھی، اچھا] کے مہاپران "بھ" کے ب اور ہ میں تقسیم ہو جانے سے وجود میں آیا ہے۔اس سے ایک اور لفظ "بحالی" [بہالی یعنی بھالی] بھی بنا ہے جس کے معنی درستی اور صحت کے ہیں جیسے آج بیمار کے چہرے پر بحالی [بہالی، بھالی بہ معنی درستی، صحت] آ گئی ہے۔آج کل کی اردو میں "بحالی" پر "آت" کا عربی لاحقہ لگا کر ایک سرکاری محکمے کا نام محکمہ "بحالیات" بھی رکھ دیا گیا ہے جو اجڑے ہوئے لوگوں کو بسانے اور متاثرہ افراد کی حالت کو درست کرنے کا کام کرتا ہے۔

اردو کے اس لفظ میں "بہال" کے مہاپران "بھ" کی آواز ب اور ہ کی دو آوازوں میں اسی طرح بٹ گئی ہے جیسے نبھانا نباہنا سے اور بھار باہر [بہ معنی خارج] سے بدل گیا ہے۔

ہمارے یہاں کچھ الفاظ میں اردو کے الف کو بھی عربی کی حائے حطی سے بدل دیا گیا ہے۔اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:-

حاطہ ۔بہ ظاہر یہ لفظ عربی لفظ "حیط" سے مشتق یا اس کا رشتے دار معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں دو الگ الگ الفاظ ہیں چناں چہ "حاطہ" خالص اردو کا "ہاتا" ہے جس کا بہروپ "آتا" ہے اور "آت" یا "آتا" کے معنی علاقے اور گھیرے کے ہیں جو اردو کے بعض مرکب الفاظ میں جزو ثانی کے طور پر بولا جاتا ہے جیسے گجرات جو لفظ "گوجر" پر لاحقہ "آت" کے اضافے سے بنایا گیا ہے اور جس کے معنی ہیں گوجروں کا علاقہ یا گھیرا۔یا میوات [میو+آت یعنی میوؤں علاقہ]۔اس لفظ پر

الف ابتدائی کا اندراج کر کے ''احاطہ'' بھی بولا جاتا ہے۔

حرام خور ۔بہ ظاہر یہ دو الفاظ حرام اور خور کا مرکب ہے جس کے بہ ظاہر معنی ''حرام کھانے والا'' ہو سکتے ہیں لیکن ہم اردو میں حرام خور اس شخص کو کہتے ہیں جو کام نہیں کرنا چاہتا۔اس لیے یہ لفظ خاص اردو کا ہے۔جس کی اردو اصل ''آرام کھور'' ہے اور جس کا مطلب آرام کی کھور [بہ معنی عادت] والا، آرام طلب، عیش پسند اور کاہل ہے۔

حلوان ۔یہ لفظ عربی میں مستعمل نہیں ہے۔صرف اردو میں بولا جاتا ہے اور نرم کے معنی دیتا ہے جیسے گوشت بہت حلوان تھا۔جلدی گل گیا۔اس کا حلوان [بہ معنی میٹھے] سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چناں چہ اس کی اردو اصل ''ہلوان'' ہے جس کا بہروپ ''الوان'' ہے اور الوان کا لفظ ال یا آل [بہ معنی نرمی] اور روان یا بان [بہ معنی بناوٹ، وضع] سے مل کر بنا ہے۔آل پیاز کے نرم پتوں کو بھی کہتے ہیں۔یہی لفظ آلو [بہ معنی آل یعنی نرمی والا، نرم] کا بھی پہلا جزو ہے۔اسی مادے سے حلوہ [بہروپ ہلوا یا الوا] اور حلیم [بہروپ ہلیم یا الیم] کے الفاظ بھی مشتق ہیں کیوں کہ یہ دونوں بھی نرم ہوتے ہیں۔غرض دونوں کی اردو اصل ہلوان یا الوان ہے۔

حلوہ ۔عربی میں حلاوت مٹھاس کو کہتے ہیں۔اس لیے یہ دھوکہ ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ حلاوت سے ہی مشتق ہوگا اور میٹھے کے معنوں میں۔اس لیے مستعمل ہوگا۔لیکن اردو میں حلوہ نرم کے معنوں میں ہی بولا جاتا ہے جس کی اصل ''ہلوا'' ہے جو ''ہل'' یا ''ال'' کے مادے پر لاحقہ فاعلی ''وا'' کے اضافے سے بنا ہے۔اس سے اردو کا اسم نسبتی حلوائی [اصل ہلوائی] بنا ہے جس میں ہلوا پر لاحقہ نسبتی ''ی'' کا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہے کہ نسبتی لاحقہ ''ی'' عربی میں نہیں ہے۔صرف اردو میں ہی بولا جاتا ہے۔چناں چہ حلوہ کی اردو اصل ''ہلوا'' یا ''الوا'' اور ''حلوائی'' کی اردو اصل ''ہلوائی'' ہے۔

حد ۔عربی میں اس خط کو کہتے ہیں جو دو علاقوں کو الگ الگ کرتا ہے اور شریعت اسلامی کی رو سے ''سزا'' بھی حد کہلاتی ہے۔لیکن اردو میں اس کا بالکل جداگانہ استعمال ہے جیسے افریقہ کی سفید فام

اقلیت نے سیاہ فام اکثریت پر ظلم کی حد کر دی۔ یہاں حد کے معنی خط فاصل یا سزا کے نہیں "انتہا" کے ہیں۔اس شدید معنوی اختلاف کے پیش نظر یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ اردو کا لفظ "حد" عربی کے لفظ سے بالکل ہی الگ ہے۔ چناں چہ اس کی اردو اصل "ات" ہے جس کے معنی زیادتی اور انتہا کے ہیں۔اس کے الف کو حائے حطی سے اور ت کو دال سے بدل کر اسے عربی کا قالب پہنا دیا گیا ہے۔

احوال ۔عربی میں حال کی جمع اور حالات کے معنوں میں مستعمل ہے لیکن اردو میں اسے واحد بولتے ہیں جیسے ہم انھیں آپ کا سب احوال سنا دیں گے لیکن آپ سے وعدہ نہیں کرتے کہ وہ آپ کو بلا بھی لیں گے یا جیسے اردو کے خطوط کی ابتدا میں بالعموم کچھ یوں لکھنے کا رواج ہے "یہاں پر خیریت ہے اور تمھاری خیریت خدا سے نیک مطلوب۔ دیگر احوال یہ ہے کہ•••"۔اس میں بھی "احوال" کو واحد ہی لکھا جاتا ہے۔چناں چہ اردو کا یہ احوال عربی کے احوال سے الگ لفظ ہے جس کا مطلب "آنے والی بات" ہے۔اس کا بہروپ "آوال" ہے۔

حوالات ۔یہ لفظ بہ ظاہر "حوال" اور "آت" سے مرکب ہے۔اس میں "آت" کا لاحقہ علاقے یا گھیر کے معنی دیتا ہے جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے لیکن "حوال" کوئی لفظ نہیں ہے جس کے لیے "آت" کو لاحقہ جمع مان کر حوالات کو حوال کی جمع سمجھ لیا جائے۔اگر یہ لفظ "حوالہ" ہوتا تو اس کی جمع بھی "حوالجات" ہوتی۔"حوالات" نہیں ہو سکتی تھی۔پھر یہ لفظ عربی میں بھی مستعمل نہیں ہے البتہ ہمارے ملک میں تھانے کے اندر ایک مخصوص کمرہ،کوٹھا یا کوٹھری ہوتی ہے جس میں پولیس والے ملزم کو عدالت میں پیش کرنے سے پہلے گرفتار رکھتے ہیں۔اس کمرے کو حوالات کہتے ہیں۔ چناں چہ یہ لفظ ٹھیٹھ اردو کا ہے جس کی اصل "اولات" ہے جو لفظ "اول" اور "آت" کے دو لفظوں سے مرکب ہے۔"اول" عارضی قید یا گرفتاری کو کہتے ہیں اور "آت" کا لاحقہ وہی ہے جو گجرات اور میوات کا ہے۔یوں حوالات کا مطلب ہوا کسی کو اول رکھنے کا گھیر یا مکان۔

حوالدار ۔یہاں پھر وہی اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لفظ عربی کا ہوگا جو بہ ظاہر حوالہ اور دار سے

مرکب ہوسکتا ہے لیکن یہ لفظ عربی میں نہیں بولا جاتا اور نہ عربی کی رو سے اس کے وہ معنی ہیں جو اردو میں مراد لیے جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں حوالدار پولیس کے اس سپاہی کو کہتے ہیں جو پولیس تھانے میں حوالات کی دیکھ بھال کا ذمے دار ہوتا ہے چناں چہ اردو کے اس لفظ کی اصل بھی 'اول دار' ہے۔

اردو کے دو بنیادی سر "اے" اور "او" ایسے ہیں جن کے بیچ میں ہم ہائے ہوز بول کر ان کے دو دو ٹکڑے کر دیتے ہیں جیسے ٹھیرنا اور ٹھہرنا، بیرا اور بہرا، پیرا اور پہرا، کونی اور کہنی یا کہنی، بونی اور بوہنی یا بہنی۔ پھر لوگ اس ہائے ہوز کو بھی حائے حطی سے بدل دیتے ہیں اور یوں اردو الفاظ کو معرب بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیچے اس قسم کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

بحث۔ یہ لفظ عربی زبان میں رد و قدح کے معنی دیتا ہے جس میں کسی موضوع کے موافق اور مخالف دلیلیں پیش کی جاتی ہیں لیکن اردو میں اس کا ایک استعمال اور بھی ہے جیسے نفیس کو تو سلیم سے بحث پڑ گئی ہے جو وہ اس کی خامی بنا کر پیش کرتا رہتا ہے۔ یہاں اس لفظ کے معنی دشمنی اور مخالفت کے ہیں اور یہ معنی عربی کے معنوں سے مختلف ہیں اس کا مطلب ہے کہ ان معنوں میں یہ لفظ خالص اردو کا ہے چناں چہ اس کی اردو اصل "بیں" ہے جس کا بہروپ "بیر" [بہ معنی دشمن] ہے۔ اس لفظ کے سر "آے" کو ہائے ہوز کے بجائے براہ راست حائے حطی سے اور س کو ث سے بدل کر معرب بنایا گیا ہے۔

صحنک۔ یہ لفظ حضرت خاتون جنتؓ کی نذر کے سلسلے میں بولا جاتا ہے جسے "بی بی کی صحنک" کہتے ہیں لیکن یہ لفظ عربی میں مستعمل نہیں ہے۔ صحن عربی میں آنگن کو ضرور کہتے ہیں لیکن "اک" کا لاحقہ نہیں بولتے اس لیے یہ لفظ عربی کا نہیں اردو ہی کا ہے جس کی صحیح املا سہنک [سینک] ہے اور جس کا بہروپ سینک [یعنی سینی بہ معنی تھالی، کشتی، انگریزی ٹرے] ہے جس میں نذر رکھی جاتی ہے۔ اس لفظ میں ح کی آواز "اے" کی سی نکلتی ہے اور براہ راست "اے" کا بدل ہے۔

محل۔ عربی میں اس لفظ کے معنی صرف "جگہ" کے ہیں لیکن اردو میں اس کے دو معنی اور بھی ہیں

[۱] کسی بادشاہ یا نواب کا عالی شان مکان۔ ان معنوں میں اس کی اردو اصل مہل ہے جس کے بہروپ منڈھل، مڑھل [بہ معنی چھاتی یا ڈھکی ہوئی عمارت، چھت دار مکان، مکان سکونہ] ہیں۔

[۲] عورت یہ لفظ ہمارے یہاں بادشاہوں اور نوابوں کی ملکاؤں کے نام کا جز و ہوتا تھا جیسے اختر محل، ممتاز محل وغیرہ۔ اس کی اردو اصل بھی مہل ہی ہے جیسے سنسکرت میں مہلا بولتے ہیں اور اردو کی معاصر زبانوں مثلاً پوربی میں عورت کو مہریا اور مہرارو بھی کہتے ہیں۔

محل سرا۔ یہ عجیب بے تکی سی ترکیب ہے کیوں کہ محل کے عربی معنی "جگہ" کے ہیں اور "سرا" فارسی زبان میں مکان کو کہتے ہیں لہذا عربی اور فارسی کے الفاظ کا یہ بے معنی اور مہمل سا مرکب نظر آتا ہے۔ اس سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اسی کا کم سے کم ایک جز و ضرور اردو کا ہے کیوں کہ محل سرا ہمارے یہاں گھر کے اس حصے کو کہتے ہیں جس میں عورتیں رہتی ہیں یعنی زنان خانہ چناں چہ اس لفظ کا اردو روپ مہل سرا قرار پاتا ہے۔

محلی۔ یہ لفظ بہ ظاہر محل سے اسم نسبتی بنایا گیا ہے جس سے اس کا مطلب "محل والا" نکلتا ہے لیکن محلی اردو میں خواجہ سرا کو کہتے ہیں جو محل سرا میں بھی آتا جاتا ہے۔ اس لیے اس کی اردو اصل "مہلی" ہے۔ مہری اس ملازم عورت کو بھی کہتے ہیں جو زنان خانے میں کام کرتی ہے۔

محرم۔ عربی میں اس لفظ کے معنی رازدار، واقف کار ہیں اور اسلامی شریعت کی اصطلاح میں وہ مرد اور عورت مراد ہیں جن میں باہم رشتۂ ازدواج قائم نہیں ہو سکتا جیسے باپ بیٹی، ماں بیٹا، سگے بہن بھائی، چچا بھتیجی، پھوپھی بھتیجا، ماموں بھانجی، خالہ بھانجا وغیرہ لیکن اردو میں یہ لفظ "انگیا" کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے جسے عورتیں "چھوٹا کپڑا" کہتی ہیں۔ اردو کے ایک قدیم شاعر نے اس لفظ کو اضافت کے ساتھ باندھ کر اس کے عربی الاصل ہونے کا التباس بھی پیدا کر دیا ہے وہ کہتا ہے:

تمھاری محرم آب رواں کی یاد آئی
حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا

لیکن عربی میں یہ لفظ ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتا جس سے ثابت ہے کہ ان معنوں میں یہ لفظ اردو کا ہے اس لیے اس کی صحیح املا بھی "مہرم" ٹھیرتی ہے۔

یہ لفظ دو اجزا "مہر" اور "ام" سے مرکب ہے۔ان میں سے پہلا جز و[مہر] آزاد لفظ ہے جب کہ دوسرا[ام] لاحقہ ہے۔مہر ہمارے یہاں عورت کو کہتے ہیں جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے جسے سنسکرت میں [رے کو لام سے بدل کر اور آخر میں الف تانیت کا اضافہ کر کے] "مہلا" لکھا گیا ہے۔

بحران ۔ یہ لفظ ہمارے یہاں پریشانی،ابتری اور شدید بخار میں ذہنی پراگندگی یا سراسیمی کیفیت کے لیے بولا جاتا ہے جب کہ عربی میں اس کے یہ معنی نہیں لیے جاتے ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اردو میں ہی بنایا گیا ہے جس کی اصل "بوران" ہے۔اس کے معنی پاگل پن اور وحشت وغیرہ کے ہیں چناں چہ شدید بخار کی حالت میں مریض کو بحران [یعنی بوران] ہو جاتا ہے اور ملکی حالات میں خلفشار پیدا ہو جانے کو بھی سیاسی بحران پیدا ہو جانا بولتے ہیں۔اس لفظ کا مادہ "بور" [یعنی باول پن، وحشت] ہے جس سے ہمارے یہاں اور بھی کئی الفاظ جیسے بورا یا باورا، بوری یا باوری [یہ معنی پاگل] ،بورانا [یعنی بولانا، باولا ہو جانا ،وحشت زدہ ہو جانا ،گھبرا جانا] وغیرہ بنے ہیں۔

صحبت ۔ عربی میں ساتھ، سنگت، ہمراہی اور مجاورت کو کہتے ہیں لیکن اردو میں یہ لفظ فرصت اور موقع کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے ۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو کا یہ لفظ عربی کے لفظ سے الگ ہے جس کی اردو اصل "سوبت" ہے ۔اسے قدما سوبتا اور سوفتا بھی بولتے تھے۔ میر تقی میر نے ایک مقام پر اسے "سوفتہ" بھی لکھا ہے یعنی اس لفظ کی بے کو فے سے بھی بدلا گیا ہے۔اردو "سوبت" کا بہروپ "سمپٹ" ہے ۔اس لفظ کے سین کو صواد سے اور "او" کے سر کو ہائے ہوز کے بجائے براہ راست حائے حطی سے بدل کر دخیل نما بنایا گیا ہے۔

باب سوم

ع: کے داخلے سے بننے والے الفاظ

'ع' عربی زبان کی بنیادی آواز ہے جس کا تلفظ الف کی آواز سے مختلف ہے لیکن اردو سماج کے ان پڑھ عوام عربی عین کو بھی الف کی آواز سے ہی ادا کرتے ہیں اور معصوم کو ماسوم اور معلوم کو مالوم بولتے ہیں۔اس کے بالکل برعکس ہمارے عربی پڑھنے والے طبقے کے افراد اردو کے الفاظ میں بھی الف کی جگہ عین لکھتے ہیں۔اس وجہ سے بھی اردو میں دخیل نما الفاظ کی تعداد بڑھ گئی ہے نیچے ایسے لفظوں کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

بیعانہ ۔ یہ خالص اردو زبان کا لفظ "بیانا" ہے جس کے معنی ہیں کسی سودے کے نتیجے میں پیشگی ادا کی جانے والی جزوی قیمت۔ہمارے عربی فارسی پڑھے لکھوں نے فروخت کے پیش نظر اس میں عربی لفظ "بیع" [بہ معنی فروخت] کا اضافہ کردیا اور پھر اسے ہائے مفتوحہ سے "بیعانہ" بولنے لگے جب کہ اصل اردو لفظ "بیانا" کا صحیح تلفظ ہائے مکسورہ سے بیانا [بے آنا] ہے جو آج بھی عوام کی زبانوں پر رائج ہے۔اس کا اردو بہروپ "بنجانا" ہے جو مادہ "بنج" [بہ معنی سودا] پر لاحقہ نسبتی "آنا" کے اضافے سے بنا ہے۔

اردو میں فعل کی حیثیت سے "بیانا" کے دو معنی اور بھی ہیں ایک بچہ دینا، جننا۔ان معنوں میں اس کے بہروپ "بئانا" اور "بڑھانا" ہیں اور دوسرے معنی بیاہ کرنا یا رکھنا ہیں جس کا بہروپ "بسانا" ہے۔اس لفظ کو اردو میں "بیاہنا" بھی لکھتے بولتے ہیں۔

جعل۔عربی زبان میں اس لفظ کے معنی "بنانا" ہیں لیکن اردو میں لوگ اس لفظ کو

کھوٹ، دھوکے اور فریب کے معنوں میں بھی بولتے ہیں ۔ان معنوں میں یہ خالص اردو زبان کا لفظ ہے جو عربی کے لفظ سے مختلف ہے۔اس لیے اس کا صحیح اردو روپ "جال" ہے جس کے بہروپ "جوٹ" اور "جھوٹ" ہیں ۔یوں لوگوں سے اردو کے الف کو عربی کے عین سے بدل کر "جال" کو "جعل" بنا لیا ہے۔

جعلی ۔ یہ لفظ جعل پر یائے نسبتی کے اضافے سے اسم صفت بنایا گیا ہے ۔عربی میں اس کے معنی فطری کی ضد یعنی ساختہ لیکن اردو میں "کھوٹا" اور "پرفریب" ہیں اس کی اردو اصل جالی [جال کا] ہے اور جعلیا [بہ معنی فریب کار، فریبی، دھوکے باز] کی اصل "جالیا" ہے ۔

ضلع ۔عربی میں یہ لفظ "بازو، پہلو یا جانب کے معنوں میں مستعمل ہے لیکن اردو میں اس کے دو مزید اور ان سے قطعی مختلف معنی بھی مراد لیے جاتے ہیں ۔ایک سیاسی یعنی صوبے کا ایک انتظامی جزو جس کا منتظم حاکم ڈپٹی کمشنر کہلاتا ہے ۔دوسرا ادبی یعنی ایک صنعت جس میں کسی ایک شعبے یا فن وغیرہ کے متعلقات اور مربوط الفاظ بیان کیے جاتے ہیں ۔اسے ضلع جگت بھی بولتے ہیں چناں چہ آخری دونوں معنوں میں یہ خالص اردو زبان کا لفظ ہے جس کا مکتوبی روپ "جلا" ہے ۔پہلے یعنی صوبے کی انتظامی تقسیم کے معنی اس کا بہروپ جیلا [جیل + لاحقہ نسبتی "آ"] بہ معنی جیلا والا یا جیل کا ہے ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبے کی اس چھوٹی تقسیم کا نام ضلع [جلا] اس جیل کی نسبت سے رکھا گیا ہے جو انتظامی ضرورت کے تحت اس کے اندر قائم کی گئی تھی ۔

ادبی صنعت کے معنوں میں اس لفظ "جلا" کا بہروپ "ملا" [میل + لاحقہ نسبتی "آ"] بہ معنی میل والا یا میل کا ہے ۔کسی شعبہ حیات، فن یا موضوع کے ملتے ہوئے الفاظ پیش کرنے کی اس صنعت کو یہ نام دیا گیا ہے ۔جڑواں [توام] بچوں کو بھی "جلے بچے" [ملے بچے] کہتے ہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ جڑواں بچوں کو یہ نام بھی ایک "جیلی یا جال" میں پرورش پانے کی وجہ سے دیا گیا ہو یعنی جلے بچے [جیلے یا جلے بچے ۔جیلی یا جالی کے بچے] ۔اس صنعت کی مثال میں مشہور کتاب "باغ و بہار" سے بیت کا ایک ضلع پیش کیا جاتا ہے :۔

"یہ لونڈی امیدوار ہے کہ روز پنج شنبہ روز مبارک
ہے اور میرے نزدیک بہتر روز نوروز سے ہے۔ آپ کی ذات
مشابہ آفتاب ہے۔ تشریف فرما کر اپنے نور سے اس ذرۂ
بے مقدار کو قدر و منزلت بخشیے"۔

داستان طلسم حیرت سے "بستر" کا ایک دل چسپ شلع اور ملاحظہ فرمایے:

"شہزادی تو شاہ صاحب کا تکیہ دیکھ کر نہالی ہو گئی۔
اس میں تو شک نہیں فرط خوش حالی سے تصویر قالی ہو گئی۔ پری
بہار ارم نے مارے شوق کے ایک ہلکا سا گدا کھایا کہ گودڑ
ہی نکل آیا۔ پری زاد نے ہاتھ پکڑ کر اٹھا سمجھایا کہ اب تو
روبہ روئی ہے۔ ناحق اتنا گھبراتی ہو، گری جاتی ہو اندر چلو چوں
کہ بغیر جانے میں صاحب کلبہ کی اشارت رضائی نہ تھی"۔

"جلا" کا ایک اور بہروپ "جلا" بھی ہے۔ چناں چہ "جلنا" کے ایک معنی "ملنا" بھی ہیں۔ جب کسی کھلاڑی کا پاؤں بال کی حد بندی کرنے والی لکیر یا خط پر جا پڑتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کا پاؤں جل گیا جس پر وہ "مردہ" یا "کھیل امر" قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہاں "جلنا" سے آگ میں بھننا، جھلسنا مراد نہیں ہوتا بلکہ یہ مراد ہوتا ہے کہ اس کا پاؤں لکیر سے مل گیا۔

غرض "ضلع" کے اردو بہروپ "جلا" کے جیم کو ض سے اور آخری الف کو عین سے بدلا گیا ہے۔ اردو کے الفاظ میں الف کی جگہ عین داخل کرنے کی اور بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں چناں چہ تعزیہ [اردو اصل تاجیا] کا لفظ باب ششم میں اور جعفری [جاپھری] لفظ باب چہارم میں دیکھا جا سکتا ہے۔

طعنہ۔ یہ لفظ اردو میں چوٹ کرنے کے لیے بولا جاتا ہے جس سے طعنہ دینا، طعنہ مارنا جیسے محاورے اور طعنہ تشنیع جیسا مرکب بنتا ہے۔ اس لفظ کو لوگ عربی لفظ طعن سے اور طعنہ تشنا کو عربی

طعن و تشنیع سے مشتق بتاتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ اردو ہی کا لفظ ہے جس کا اصل روپ ''تانا'' ہے۔اس کا بہروپ ''تانسا'' [بہ معنی تنگ کرنا] ہے اور تشنیع کی اصل تسنا [یا ٹسنا یعنی ٹیسنا بہ معنی تکلیف دینے والا، ستانے والا] ہے۔ چناں چہ طعنہ تشنیع کی اردو اصل ''تانا تسنا'' ہے۔ دونوں لفظوں میں اردو کے الف کو عین سے بدلا گیا ہے اور اسے طعنہ تشنیع کی شکل میں عربی کا لباس پہنا دیا گیا ہے۔

عاری ۔ عربی میں یہ لفظ ننگے یا خالی اور محروم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اس مادے سے لفظ ''عریاں'' بھی بنا ہے لیکن لوگ ہمارے یہاں اسے عاجز کے معنوں میں بھی لکھتے ہیں بلکہ یہ معنی تو بعض اردو لغات میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں مثلاً میں اس لڑکے کو سمجھاتے سمجھاتے عاری آ گیا لیکن وہ نہیں مانا یعنی میں اسے سمجھاتے سمجھاتے عاجز ہو گیا، تھک گیا، لیکن وہ باز نہیں آیا۔ان معنوں میں یہ لفظ اردو کا ہے جس کا صحیح املا ''آری'' ہے ۔اس کا بہروپ ''ہاری'' [ہارا ہوا عاجز] اور ''ہاڑی'' [بہ معنی ہڑا ہوا ۔اکتایا ہوا] بنتا ہے ۔اس لفظ میں بھی اردو کے الف کو عین سے بدلا گیا ہے۔

عبیر ۔اردو میں ابرک کے برادے کو کہتے ہیں جو خوشی کے موقع پر گلال کے ساتھ اڑایا جاتا ہے لیکن عربی میں اس سے ایک مرکب خوشبو مراد ہوتی ہے۔ یہ معنوی اختلاف بتاتا ہے کہ دونوں زبانوں کے یہ الفاظ الگ الگ ہیں چناں چہ اردو لفظ کی اصل ''ابیر'' ہے جو مادہ ''اب'' پر لاحقہ ''ایر'' کے اضافے سے بنا ہے اور مادہ ''اب'' سے ہی لفظ ''ابرک'' بھی بنا ہے ۔

عرصہ۔ عربی میں یہ لفظ میدان کے معنی میں بولا جاتا ہے جیسے عرصۂ جنگ [لڑائی کا میدان] لیکن اردو میں وقت کے ایک حصے یا وقفے کے لیے بھی بولتے ہیں جیسے تم سے ملے ہوئے پانچ ماہ کا عرصہ ہو گیا ۔یہ معنی عربی کے معنوں سے مختلف اور جدا ہیں اور صرف اردو ہی سے مخصوص ہیں ۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ الفاظ ہیں جن میں سے ایک خالص اردو کا ہے جس کی اردو اصل ''ارسا'' ہے ۔اس کے رے کو لام سے بدل کر اس کا ایک بہروپ ''آلسا'' بنتا ہے جو آلس

[بہ معنی سستی، بے عملی] پر لاحقہ نسبتی ''آ'' کے اضافے سے تیار ہوا ہے اور جس کے معنی سستی اور بے عملی کا وقت یا وقفہ نکلتے ہیں۔ اس لفظ میں بھی اردو کے الف کو عربی کے عین سے بدلا گیا ہے۔

عش عش۔ یہ لفظ اردو میں کمال تحسین کے موقع پر حیرت اور تعجب کے معنوں میں بولا جاتا ہے جیسے اہل فن مصور کی شاہکار تصویر پر عش عش کرنے لگے۔ اس کی اردو اصل ''اسس'' ہے جس کے بہروپ ''اچھس'' [اچھا] اور ''اچرج'' [حیرت، تعجب] ہیں۔

علیحدہ۔ لوگ اس لفظ کو عربی سمجھتے ہیں لیکن اس کا عربی تلفظ اردو کے تلفظ سے بہت مختلف ہے کیوں کہ عربی میں اس کی اصل ''علی حدۃ'' بتائی جاتی ہے یعنی جو لفظ اردو میں مفرد ہے وہ عربی میں دو الفاظ کا مرکب ہے۔ اس طرح اس کا نہ صرف ملفوظی بلکہ مکتوبی روپ بھی مختلف ہے۔ پھر عربی لفظ کے معنی ''ایک ایک کرکے'' یعنی ''فرداً فرداً'' ہیں جب کہ اردو میں یہ ایک مفرد لفظ ہے اور اس کے معنی ''الگ'' اور ''جدا'' ہیں۔ ان ملفوظی، مکتوبی اور معنوی تینوں اختلافات کے پیش نظر عربی اور اردو کے ان دو الگ الگ الفاظ کو ایک نہیں سمجھا جا سکتا کیوں کہ ان کا تلفظ، کتابت اور معنی سب کچھ الگ ہے۔ چناں چہ اردو لفظ کی اصل ''الیدھا'' ہے جس کے بہروپ ''الاوا'' اور ''الاگا'' [اَ یعنی الف نافیہ + لاگا، لگا] ہیں، جن کے معنی ہیں نہ لگا ہوا، الگ۔

اردو کے اس لفظ کو عربی بنانے کا عمل نہایت دل چسپ ہے۔ اس کے ابتدائی الف کو ع سے بدلا گیا لیکن معرب بنانے کی یہ ایک عام کوشش ہے۔ اردو کے بہت سے الفاظ کے مکتوبی روپوں میں ''ے'' کے سر کی جگہ ہائے ہوز داخل کر دی جاتی ہے جیسے ٹھیرنا اور ٹھہرنا۔ پیرا اور پہرا۔ پیرا اور بہرا وغیرہ جو بہت سے لفظوں میں معرب بناتے وقت حائے حطی سے بدل دی گئی ہے جیسے میل، مہل، محل، سینک، سہنک، صحنک وغیرہ۔ چناں چہ اس لفظ میں بھی ہائے ہوز کی جگہ حائے حطی داخل کر دی گئی ہے اور ے کے نقطے بھی برقرار رکھے یعنی علیحدہ۔ اب صرف لام پر ایک الف کھڑا کر دیا گیا جس سے عربی کا ایک لفظ مکمل ہو گیا۔ پھر اردو کے لفظ کے آخری الف کو ہائے مختفی سے بدل کر عربی کا دوسرا لفظ مکمل کر لیا اور یوں اردو کے ایک لفظ سے عربی کے دو جڑواں

لفظ بنا دیے گئے۔

عمدہ ۔عربی زبان میں سردار، امیر اور سربرآوردہ آدمی کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔اس کی جمع عمائد اور عمائدین بھی آتی ہے جیسے عمائدین شہر یعنی شہر کے سربرآوردہ لوگ۔اس کے علاوہ "عمدہ" کا لفظ "پھٹکر" کے مقابل "تھوک" کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔چناں چہ فارسی میں "تھوک فروش" کو "عمدہ فروش" کہتے ہیں لیکن اردو بول چال میں یہ لفظ ان معنوں سے بالکل الگ "اچھا" اور "خوب" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور انسان، جانور، شے اور خیال میں سے ہر ایک کی صفت کے طور پر بولا جاتا ہے اور مذکر و مونث دونوں کے لیے بولا جاتا ہے جیسے عمدہ انسان، عمدہ گائے، عمدہ کتاب، عمدہ نظریہ وغیرہ۔اس معنوی اختلاف سے ثابت ہے کہ اردو کا لفظ عربی کے لفظ سے الگ ہے۔اس کی اصل "امدا" ہے جس کے بہروپ "ابھرا" اور "اوبا" ہیں۔

عندیہ۔ عربی میں لفظ "عند" کے معنی نزدیک کے ہیں لیکن "عندیہ" کا لفظ رائج نہیں ہے۔البتہ یہ اردو میں "منشاے دلی" کے معنوں میں بولا جاتا ہے اس لیے یہ خالص اردو کا لفظ ہے جس کی صحیح املا "اندیا" ہے اور "اندیا" کا بہروپ "انتریا" ہے جس کا مطلب ہے "انتری کا" نہایت خفیہ، بالکل نجی خیال۔اس لفظ کے پہلے الف کو "ع" سے اور آخری الف کو حسب معمول ہاے مختفی سے بدل کر اسے عربی بنایا گیا ہے۔

عینک ۔ یہ لفظ اردو میں آنکھوں پر لگائے جانے والے چشمے کے لیے بولا جاتا ہے۔اس میں عربی کا حرف ع اور لفظ عین [بہ معنی آنکھ] دونوں کی موجودگی سے یہ گمان قوی ہو جاتا ہے کہ یہ عربی کا لفظ ہوگا لیکن ایک تو یہ لفظ ان معنوں میں عربی میں بولا نہیں جاتا دوسرے اس لفظ میں کاف کا لاحقہ ہے جو عربی میں نہیں ہوتا البتہ فارسی اور اردو میں اسم تصغیر بنانے میں کام آتا ہے۔جیسے فارسی مرغ سے مرغک [چھوٹا پرندہ] اور اردو ڈھول سے ڈھولک [چھوٹا ڈھول] یا فارسی میں ہاے مختفی کا اور اردو میں الف کا بدل ہوتا ہے جیسے فارسی شب پرہ سے شپرک، اور اردو بالا [بہ معنی بچا] سے

با لک وغیرہ۔مزید غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ عربی کا لفظ نہیں ہے تو پھر فارسی کا ہوگا اور اگر ایسا ہے تو اس کی ابتدا میں عین کی جگہ الف ہوگا یعنی یہ لفظ "اینک" ہوگا۔اردو "آ" کے سُر کو "اے" بولنے کا بھی رجحان ملتا ہے بلکہ یہ تبادل اصوات کا اصول بھی ہے جیسے پاجامہ اور پیجامہ۔ فارسی جا ئداد اردو جیداد۔فارسی سائبان اور سیبان، دکنی پاے دل اردو پیدل۔انگریزی لائن اردو لین [قطار]۔انگریزی فائر اردو فیر [ضرب]۔انگریزی ٹائم اردو ٹیم۔بلکہ میں نے رگ وید میں بھی آئینم [بہ معنی آئینہ] کو "اینم" لکھا دیکھا ہے۔چناں چہ وات [بار۔ہوا] کے متعلق بھی شاعر کہتا ہے کہ وات [بار] کی فوجیں اس کے پیچھے اس شوق سے لپکتی ہیں جیسے دوشیزائیں آئینے کی طرف۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اینم گچھنتی سمنن یوشا" [سوکت نمبری ۲۔۱۶۸۔۱۰]۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ جسے ہم "عینک" لکھتے اور "اینک" بولتے ہیں فارسی زبان کا آئنک [بہ معنی چھوٹا آئینہ] ہے جس کے ابتدائی الف کو ع سے بدل کر معرب بنا دیا گیا ہے۔

لعل۔یہ لفظ سرخ رنگ اور ایک سرخ قیمتی پتھر کے لیے مستعمل ہے۔اس کے علاوہ ایک چھوٹی سی سرخ رنگ کی چڑیا کو بھی لعل کہتے ہیں۔اور یہ تینوں معنی اردو میں مراد لیے جاتے ہیں لیکن یہ لفظ عربی زبان میں ان معنوں میں نہیں بولا جاتا۔فارسی میں بھی لال رنگ کے لیے لفظ "سرخ" اور لال قیمتی پتھر کے لیے "یاقوت" کا لفظ بولا جاتا ہے جس کی عربی یواقیت بنائی گئی ہے۔عربی میں یاقوت کو "رمان" کہتے ہیں۔غرض لفظ "لعل" ان معنوں میں جن میں یہ اردو میں بولا جاتا ہے، عربی فارسی زبانوں کی ملکیت نہیں ہے۔یہ خالص اردو زبان کا لفظ ہے۔اس کی اردو اصل "لال" ہے جس الف کو عین سے بدلہ دیا گیا ہے۔

نعل۔ عربی میں جوتے کو کہتے ہیں جس کی جمع نعلین جوتے کے لیے بولی جاتی ہے لیکن اسے اردو میں اس آہنی ہلال کے لیے بھی بولتے ہیں جو بیل اور گھوڑے کے سموں میں جڑا جاتا ہے اور اس خراج کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جو چھوٹا بادشاہ بڑے بادشاہ کو اپنی اطاعت مندی اور فرماں

برداری کی علامت کے طور پر ہر سال ادا کیا کرتا ہے۔ نعل بند اردو میں اس شخص کو کہتے ہیں جو گھوڑوں کے سموں میں نعل جڑتا ہے اور نعل بندی کا لفظ خراج گزاری کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن لفظ "نعل" آہنی ہلال اور خراج کے معنوں میں عربی زبان میں نہیں بولا جاتا البتہ اردو میں ایک لفظ "نال" مستعمل ہے جس کے ایک معنی تو وہی آہنی ہلال کے ہیں جو گھوڑوں کے سموں میں جڑا جاتا ہے اور اس بھاری پتھر کو بھی نال کہتے ہیں جسے پہلوان ورزش یا قوت نمائی کے لیے اس میں لگی ہوئی لوہے کی سلاخ پکڑ کر اٹھاتے ہیں اردو میں "نال" کے ایک اور معنی اس رقم کے ہیں جو جوا کھلانے والا اپنی پھڑ کے کرائے یا حصے کے طور پر داؤ پر لگائی جانے والی مختلف جواریوں کی رقموں میں سے کاٹ لیتا ہے۔ باج اور خراج سے بھی یہی معنی مراد ہیں۔ نال کے چوتھے معنی نومولود بچے کی ناف سے باہر نکلی ہوئی آنت کا وہ ٹکڑا بھی ہے جو کاٹ کر زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے اور جس سے اردو زبان کا ایک محاورہ "نال گڑنا" یا "نال گڑا ہونا" بنتا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آہنی ہلال اور خراج کے معنوں میں بھی یہ لفظ اردو ہی کا مال ہے جسے عربیا کر نعل بنا لیا گیا ہے۔ یعنی الف کو عین سے بدل دیا گیا ہے۔

باب چہارم

ف: کے داخلے سے بننے والے الفاظ

'ف' کی آواز عربی فارسی دونوں زبانوں میں ملتی ہے بلکہ انگریزی زبان کی بنیادی آوازوں میں بھی شامل ہے لیکن اردو زبان کی بنیادی آواز نہیں ہے اس لیے ہمارے عوام اس کا تلفظ اردو کی ایک اور بنیادی آواز ''پھ'' سے کرتے ہیں چناں چہ وہ لفظ ''فارسی'' کو پھارسی، صاف کو ساپھ، لفافے کو لپھاپھا اور انگریزی لوفر کو ''لوپھر'' بولتے ہیں لیکن ان کے برعکس ہمارے تعلیم یافتہ افراد اردو ''پھ'' کو بھی ف سے بدل کر دیسی الفاظ کو بدیسی بنا لیتے ہیں۔ نیچے ان کی چند مثالیں دی جاتی ہیں:

افراتفری ۔ بعض لوگ اس لفظ کا سلسلہ عربی سے ملاتے ہیں اور اسے عربی کے الفاظ افراط وتفریط سے مشتق بتاتے ہیں لیکن افراط وتفریط کا مطلب زیادتی اور کمی ہے جب کہ افراتفری میں کسی زیادتی یا کمی کا کوئی تصور نہیں ہوتا بلکہ اس سے انتشار، ہنگامہ اور نفسی نفسی کا عالم مراد ہوتا ہے۔ چناں چہ دوسری مثالوں کی طرح یہاں بھی دونوں رویوں میں معنوی اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں الگ الگ الفاظ ہیں۔ لوگ علی العموم صوری مشابہت پر جاتے ہیں اور لفظوں کے معنوی اختلاف کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی عوامی اشتقاق کی نمایاں خصوصیت ہے اور یہی حقیقی اشتقاق تک نہ پہنچنے کی اصل وجہ بھی ہے۔ میرے نزدیک اردو کے اس دخیل لفظ کی اصل ''اپھرا تپھری'' ہے جس کا بہروپ اردو کے صوتی تبادل کے اصول سے آپا تاپی یا آپا دھاپی ہے اور اس سے اس لفظ کے اصل معنی ظاہر ہو

جاتے ہیں۔

الف ۔ یہ عربی، فارسی اور اردو ابجد کا پہلا حرف ہے۔ اس کا ابتدائی حرف مفتوح، لام مکسور اور ف ساکن بولا جاتا ہے اور جب اس کا لام ساکن اور ف موقوف ہوتا ہے تو عربی زبان میں اس کے معنی ایک ہزار کے ہوتے ہیں عالمی ادب کی مشہور افسانوی کتاب ''الف ولیلہ'' کا نام اس لیے رکھا گیا تھا کہ اس میں ایک ہزار اور ایک راتوں کے قصے بیان کیے گئے ہیں لیکن ہم اس لفظ کو اردو میں ایک اور موقع پر بھی بولتے ہیں جب گھوڑا اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ گھوڑا الف ہو گیا۔ اس وقت اس کے الف اور لام دونوں مفتوح بولے جاتے ہیں اور ف ساکن ہوتا ہے [اَلَف] اور یہ معنی عربی کے مندرجہ بالا دونوں معانی سے مختلف ہیں جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خالص اردو کا لفظ ہے اور اس وقت اس کا اصلی روپ ''اپلھ'' ہوتا ہے جو دو اجزا سے مرکب ہے [بہ معنی نہیں] اور پلھ [بہ معنی جھکاؤ]۔ اردو میں لپھنا جھکنے کو اور لپھکانے جھکانے کو کہتے ہیں۔ یوں اس لفظ کا مطلب ہوتا ہے بالکل سیدھا، نہ جھکا ہوا۔ چناں چہ ان معنوں میں یہ لفظ اردو میں دخیل نما ہے جس کے ابتدائی ''پھ'' کو ''ف'' سے بدل دیا گیا ہے۔

جعفری ۔ عربی میں جعفر کے نام سے منسوب جعفری [یعنی جعفر کا] کہلاتا ہے لیکن اردو میں جعفری ایک قسم کی ٹٹی کو کہتے ہیں جو لکڑی کی آڑی ترچھی کھپاچیں جوڑ کر تیار کی جاتی ہے۔ اس معنوی اختلاف کے پیش نظر اردو کا یہ لفظ عربی کے لفظ سے بالکل الگ قرار پاتا ہے جو اس ٹٹی کی بناوٹ ظاہر کر رہا ہے۔ چناں چہ اس کی اردو اصل ''جاپھری'' ہے جس کا بہروپ ''جابڑی'' ہے چوں کہ اس ٹٹی کی ساخت جبڑوں سے مشابہ ہوتی ہے جن کے دانت باہم دگر اسی طرح پیوست ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ اردو کے لفظ میں الف کی جگہ ع اور پھ کی جگہ ف داخل کر کے یہ دخیل نما لفظ تیار کیا گیا ہے پنجابی میں بھی ''وچھی'' مخالف سمت یا پہلوؤں سے گلے ملنے کو کہتے ہیں۔

اس لفظ کے دوسرے معنی ہلکے زرد رنگ کے ہیں جو خالص سونے کی صفت کے طور پر آتا ہے اور زر جعفری [بہ معنی خالص سونا] کے مرکب میں بولا جاتا ہے۔اس کی اردو اصل ''جاپھری'' ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے اور ان معنوں میں اس کے بہروپ ''جاپی'' اور ''چھاپی'' [بہ معنی چھاپنے والا] ہیں۔ جاپ یا چھاپ کیسری [زعفرانی] رنگ کو کہتے ہیں جو خالص سونے کا رنگ ہوتا ہے۔ چناں چہ زر جعفری کے معنی خالص سونے کے ہوتے ہیں۔ اس کے لیے لفظ ''چمپا'' پر بھی غور کر لیجیے، جو ہلکے زرد رنگ کا ایک پھول ہوتا ہے۔اس کا بہروپ ''چھاپا'' ہے یعنی چھاپ والا ہے اور چھاپ کے معنی بھی زرد رنگ کے ہیں۔ ہندوؤں میں نظر بد سے بچانے کے لیے زعفران کے چھاپے لگائے جاتے ہیں۔

سوفتہ۔ اردو میں وقت اور موقع کے معنوں میں بولا جاتا ہے لیکن عربی یا فارسی میں مستعمل نہیں ہے۔اس کی اردو اصل ''سوبت'' اور ''سوبتا'' ہے جو بیشتر ''صحبت'' کے روپ میں لکھا جاتا ہے چناں چہ اس کا بیان ''صحبت'' کے تحت ملاحظہ کیجیے۔

غف۔ اگر چہ اس لفظ میں دونوں حروف عربی کے ہیں لیکن یہ عربی میں مستعمل نہیں ہے۔ صرف اردو میں بولا جاتا ہے اور موٹے اور دبیز کے معنی دیتا ہے چناں چہ اس کی اردو اصل ''گپھ'' ہے جس کے بہروپ ''گف'' '' '' ، '' گب ''گوپ'' اور ''گبھ'' [یعنی گچھا ہوا] ہیں۔

فارغ خطی۔ یہ لفظ عربی بنایا گیا ہے۔اس سے مراد وہ تحریر ہے جس کے ذریعے سے کوئی شخص اپنے حق سے دست بردار ہو کر وہ حق دوسرے شخص کو منتقل کر دیتا ہے۔اس لفظ کی ایک اور شکل ''فارخطی'' بھی ہے لیکن اس کی اردو اصل ''فراغتی'' ہے اور فراغتی سے فراغت پانے، فارغ ہونے یا حق سے دست کش ہونے کا عمل مراد ہے۔

فرفر ۔ یہ حکایت الصوت ہے اور صرف اردو ہی میں مستعمل ہے۔اس کی اصل ''پھر پھر'' ہے جو ایک آواز کی نقل ہے اور تیز ہوا میں کسی شے کے اڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔اس کا

بہروپ ''پھڑ پھڑ'' ہے اور معنی ہیں تیز ہوا سے کسی شے کے ٹکرانے کی آواز ۔اس کے دوسرے معنی تیز تیز، کسی رکاوٹ کے بغیر بھی ہیں جیسے شاگرد نے اپنا سبق استاد کو فرفر پڑھ کر سنا دیا۔

فرّاٹا ۔ اس لفظ میں ٹ کی موجودگی اسے خالص اردو کا لفظ ثابت کر رہی ہے چناں چہ اس کی اردو اصل ''پھراٹا'' ہے جس کا تجزیہ یوں ہے: پھر [آواز کی نقل] + لاحقہ آٹا [بہ معنی آواز] یعنی پھر پھر کی آواز ۔فعل ''بھرنا'' کے ساتھ اس سے ایک مرکب فعل فراٹے بھرنا بھی بنتا ہے جس کے معنی ہیں ہوا میں ہو کر تیزی سے گزرنا ۔ بہت تیز چلنا یا اڑنا جیسے پتنگ آسمان میں فراٹے بھر رہی ہے ۔ریل گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی جاتی ہے ۔

فــراق ۔ عربی میں یہ لفظ ہجر وجدائی کے معنی دیتا ہے لیکن اردو میں یہ ایک اور معنی میں بھی مستعمل ہے جیسے نوکری کے فراق میں دفتروں کی خاک چھانتے چھانتے شام ہو گئی۔ اس معنوی اختلاف سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو کا یہ لفظ عربی کے لفظ سے جدا ہے ۔اس کی اردو اصل ''پھراک'' ہے اور ''پھراک'' کی تشریح یوں ہے: پھراک = پھر [پھیر، چکر] + لاحق نسبتی آک ۔اس کے معنی ہیں فکر اور دھن ۔

فر چٹ ۔یہ دو لفظوں فر اور چٹ کا مرکب ہے ۔جس کے پہلے حرف میں اگر چہ ف کا حرف ہے جو اسے فارسی سے متعلق کر سکتا ہے ہے لیکن دوسرے جزو میں ٹ کے حرف کی موجودگی اسے اردو کی ملکیت ثابت کر رہی ہے ۔اردو میں یہ مرکب لفظ بہت تیز شخص یعنی چلتے پرزے کے لیے بولا جاتا ہے ۔فر کی اصل پھر ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور جو تیزی کے لیے بولا جاتا ہے اور چٹ بھی اردو میں جلدی اور پھرتی کے لیے مستعمل ہے جس کا بہروپ جھٹ ہے ۔

فر فند ۔یہ بھی اردو کا ایک مرکب لفظ ہے جس کی اصل ''پھر پھند'' ہے اور جو مکر وفریب کے معنی دیتا ہے ۔اس کے تجزیہ یوں ہے: پھر [بہ معنی فریب، پھیر] + پھند [بہ معنی دھوکہ، پھیر، پھندا] ۔یوں اس لفظ کے معنی ہوئے بالکل دھوکہ، قطعی فریب ۔

فرنٹ ۔ انگریزی زبان میں اگلے یا سامنے کے حصے کو کہتے ہیں اور جنگ کی نسبت سے اسے محاذ کا نام دیتے ہیں ۔لیکن اردو میں یہ سرکش اور باغی شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے نالائق بیٹا باپ سے فرنٹ ہوگیا ۔چناں چہ انگریزی اور اردو کے یہ دوا لگ الگ الفاظ ہیں ۔ اردو کے لفظ کی اصل ''پھرنٹ'' ہے جس کا مطلب ہے پھر جانے والا، باغی، سرکش، مخالف ۔

فضیتا ۔ ہمارے عربی فارسی پڑھے لکھے لوگ اسے عربی کے لفظ ''فضیحت'' [بہ معنی رسوائی] سے مشتق گردانتے ہیں اور چوں کہ لفظ رسوائی مونث بولا جاتا ہے اس لیے انھوں نے فضیحے کا ایک مونث روپ فضیتی [فضیحتی] بھی گھڑ لیا ہے جو کم سے کم میرے سننے میں نہیں آیا ۔چونکہ اردو میں یہ لفظ ''رسوائی'' کے نہیں شور و غل، ہنگامے، شہرت اور اعلان کے معنوں میں بولا جاتا ہے اس لیے یہ خالص اردو کا لفظ ہے جس کا عربی کے لفظ ''فضیحت'' سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اس کی اردو اصل ''پھجیتا'' ہے جس کے بہروپ ''بجیتا'' اور ''بجارا'' ہیں جو مادہ بج [بہ معنی شور] سے مشتق ہے اور خالص شہرت اور اعلان کے معنی دیتے ہیں ۔

فطرت ۔ عربی میں اس لفظ کے معنی طبیعت، پیدایشی رجحان یا قدرتی مزاج ہے لیکن اردو میں یہ لفظ چالاکی اور فریب کاری کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے ۔اس معنوی اختلاف سے ثابت ہے کہ اردو کا یہ لفظ عربی کے لفظ سے الگ ہے ۔اس کی اردو اصل ''پھترت'' ہے جس کا بہروپ ''پھرت'' ہے اور اس کے معنی پھیر، چالاکی اور چال بازی ہیں ۔

فطرتی ۔یہ لفظ ''فطرت'' پر یائے نسبتی کے اضافے سے صفت نسبتی بنایا گیا ہے ۔اس کی اردو اصل ''پھترتی'' ہے جس کا بہروپ ''پھیری'' ہے اور ''پھیری'' کے معنی ہیں پھیر دار، فریب کار، چال باز ۔

فن ۔ عربی میں ہنر کو کہتے ہیں جس کی جمع فنون روزانہ کی بول چال میں استعمال ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر علم کی جمع علوم کے ساتھ ایک مرکب بناتی ہے ۔جیسے علوم و فنون لیکن اردو میں یہ لفظ ''فریب'' کے معنوں میں بولا جاتا ہے اور فند اور فریب کے ساتھ بھی سننے میں آتا ہے جیسے

فن فند یا فن فریب۔ چناں چہ اردو کا ''فن'' عربی کے فن سے الگ لفظ ہے جس کی اردو اصل ''پھن'' ہے۔ اس کا بہروپ ''پھانس'' [بہ معنی دھوکا] ہے۔

فوّارہ ۔ یہ بظاہر عربی زبان کا لفظ معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس میں ف کے ساتھ ساتھ واو مشدد بھی بولا جارہا ہے جب کہ فارسی زبان میں ف تو ضرور ہے لیکن تشدید نہیں ملتی۔ اردو میں یہ لفظ پانی کی اس کل کے لیے بولا جاتا ہے جس سے پانی کی ننھی ننھی بوندیں دھار کی شکل میں نکلتی ہیں اور رفتہ رفتہ حوض بھر دیتی ہیں اس لفظ پر اردو کا گمان اس لیے نہیں گزرتا کا اس میں مشدد واو حرف صحیح کی آواز دے رہا ہے جو عربی زبان کا خاصہ ہے جیسے ہوّا لیکن اردو میں مشدد واو سر کی آواز دیتا ہے جیسے کوا [تلفظ کوآ]۔ ہوا [تلفظ ہوا] وغیرہ۔ دوسری طرف مشکل یہ ہے کہ یہ لفظ عربی زبان میں ان معنوں میں نہیں بولا جاتا جن معنوں میں اردو میں بولا جاتا ہے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ لفظ اردو ہی کا ہے اور دخیل نما ہے۔ اس کی اصل ''پھوارا'' ہے جو ''پھوار'' کے لفظ پر الف نسبتی کے اضافے سے بنا ہے۔ پھوارا یعنی پھوار والا یا پھوار نکالنے والا۔

فی ۔ یہ لفظ عربی کا ایک عامل ہے جس کے معنی ''کے اندر'' [میں] لیے جاتے ہیں لیکن اردو زبان میں یہ لفظ نقص اور عیب کے معنوں میں بولا جاتا ہے جیسے انھوں نے جو ہمارا تحفہ واپس کردیا تو اس میں کوئی فی ہے یا دشمن تو ہر بات میں فی نکالا کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اردو والوں نے عربی زبان سے یہ لفظ مستعار لے کر اسے بُرے معنی عطا کردیے بلکہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو کا لفظ ''فی'' عربی کے ''فی'' سے بالکل الگ ہے۔ اردو لفظ ''فی'' دخیل نما ہے جس کی اصل ''پھی'' ہے اس کا متبادل لفظ ''پھیر'' [بہ معنی بل، کھوٹ] ہے۔

فیتا ۔ اردو میں عموماً کپڑے وغیرہ کی ایک لمبی دھاپ کو کہتے ہیں جس پر ناپ کے ہندسے بھی بنے ہوتے ہیں اور جو لمبائی ناپنے کے کام آتا ہے۔ چوں کہ اس پر عموماً انگریزی میں

پیمایش کی تقسیم فٹ اور انچ وغیرہ کے نشان ہوتے ہیں اس لیے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ لفظ انگریزی کے لفظ "فیٹ" سے بنا ہوگا۔ ویسے ایک فٹ لمبے پیمانے کو اسکول کے بچے "فٹا" بھی کہتے ہیں لیکن فیتا کا انگریزی فٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر یہ لفظ انگریزی کے لفظ "فٹ" سے بنا ہوتا تو اسے "فیٹا" بولنے میں کیا قباحت تھی جب کہ اردو میں بھی انگریزی کی طرح ٹ کی آواز بولی جاتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ لفظ دخیل نما ہے اور اس کی اصل "پھیتا" ہے اور "پھیتا" کا بہروپ بھاڑا ہے جس کا مطلب ہے بھاڑ والا یا دھاپ والا۔

فیل ۔ یہ لفظ ہمارے یہاں مکر وفریب کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اس کی اصل "پھیل" ہے جس کا بہروپ "پھانس" ہے۔ اس سے لفظ "فیل ہائی" بھی بنا ہے جو "فیل" اور لاحقہ نسبت تانیث "ہائی" سے مرکب ہے اور مکار عورت کے معنی دیتا ہے۔

قلفی ۔ بالعموم لوہے یا ٹین کی ایک گاؤدم نلکی کو کہتے ہیں جس میں میٹھا دودھ اور میوے وغیرہ بھر کر برف میں لگا دیتے ہیں جو تھوڑی دیر میں جم جاتا ہے۔ یہ قلفیاں گرمیوں میں بہت جمائی اور کھائی جاتی ہیں۔ آج کل آئس کریم بیچنے والوں نے اپنی بڑی قلفیوں کو قلفا کا نام بھی دے دیا ہے۔ ہمارے بعض پڑھے لکھے لوگ اسے قفل کی تقلیب بتاتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہ لفظ قفلی کو الٹا کر کے بنایا گیا ہے اور قفل عربی زبان کا لفظ ہے لہٰذا ان کی نظر میں قلفی کی اصل عربی کا لفظ قفلی ہے لیکن وہ لیکن وہ یہ بات نظر انداز کر دیتے ہیں کہ قفل کا کام حفاظت کرنا ہے جب کہ قلفی کھائی جاتی ہے۔ اس میں قفل لگانے یا اس کی کوئی حفاظتی تدبیر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی چناں چہ دونوں الفاظ میں معنوی اعتبار سے کوئی تعلق یا نسبت نہیں ہے۔ یہ لوگ دراصل ان لفظوں کی ملتی جلتی آوازوں پر تو گئے لیکن انھوں نے معنی کو نظر انداز کر دیا اور یہی عوامی اشتقاق ہے۔ دونوں لفظوں کا معنوی اختلاف اس بات کا ثبوت ہے کہ لفظ قلفی خالص اردو کی ملکیت ہے اور اس کی اصل "کلپھی" ہے جس کہ بہروپ "کوپھی" اور "کپی" ہیں۔ اس طرح "قلفا" کا بہروپ "کپا" ہے۔

کافور ۔ یہ لفظ عربی فارسی میں بھی مستعمل ہے اور اردو میں پردیسی لفظ کے طور پر بولا جاتا ہے کیونکہ اس کا ابتدائی اردو روپ ''کپور'' ہے اور ایک قسم کے درخت کا جما ہوا سفید عرق ہے جس کی بو بہت تیز ہوتی ہے۔ یہ لفظ معرب ہو کر عربی فارسی بن گیا اور اب وہاں سے پردیسی کی حیثیت سے اپنی اصل زبان اردو میں واپس آ گیا اور بولا جانے لگا۔

کوفتہ ۔ بہ ظاہر یہ لفظ فارسی کے مصدر کوفتن سے تیار کیا ہوا اسم مفعول لگتا ہے اور فارسی کوفتن کے معنی کوٹنے کچلنے کے ہیں اس لیے کوفتہ کے معنی کوٹا یا کچلا ہوا نکلتے ہیں لیکن اردو میں یہ مخصوص معنوں میں مستعمل ہے اس سے قیمے کے بنے ہوئے وہ گولے مراد ہوتے ہیں جن کا شوربے دار سالن پکایا جاتا ہے۔ اس اختلاف معنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ فارسی کے لفظ سے مختلف ہے۔ اس کی اردو اصل ''کوپھتا'' ہے جس کا بہروپ ''کپا'' ہے اور کپا گولے کو کہتے ہیں۔

باب پنجم

ط: کے داخلے سے بننے والے الفاظ

عربی میں دو دندانی الپ پران ہوتے ہیں ت اور ط جب کہ اردو بان میں صرف ایک ہی ہے یعنی ت۔ اس لیے اردو کے عوام عربی کی طوئے کو بھی ت کی طرح ادا کرتے ہیں لیکن عربی پڑھنے لکھنے والوں نے اردو الفاظ میں ت کو بھی ط سے بدل دیا ہے۔ اس تبدیلی کی چند مثالیں نیچے درج کی جاتی ہیں:

اطریفل۔ معجون ہلیلہ کو کہتے ہیں۔ اس کی اردو اصل "تری پھل" ہے جس کی ابتدا میں الف کا حشوی اندراج کرکے اسے اتری پھل یعنی اطریفل بنا دیا گیا ہے اور "تری پھل" کا مطلب ہے تین پھل جن میں ہڑ، بہیڑا اور آنولا شامل ہیں جنھیں عرف عام میں تر پھلا کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ معجون انھیں تین پھلوں سے تیار کی جاتی ہے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

بساط ۔ یہ عربی لفظ "بسط" سے بنا ہے اور وسعت، کشادگی اور پھیلاؤ کے معنی دیتا ہے لیکن اردو میں یہ کچھ مختلف معنوں میں مستعمل ہے۔ اس کے ایک معنی فرش یا بچھائی جانے والی چیز کے ہیں جیسے شطرنج کی بساط سے شطرنج کا وہ تختہ، کپڑا یا گتہ مراد ہے جس پر شطرنج کے مہرے جمائے جاتے ہیں یا جیسے چوپڑ کی بساط جس پر چوپڑ کی گوٹیں رکھی جاتی ہیں چناں چہ ان معنوں میں اس کی اردو اصل "بسات" ہے جس کا بہروپ "بچھات" [یعنی بچھائی جانے والی چیز] ہے۔ بساط پر یائے نسبتی کے اضافے سے ایک اور لفظ بساطی بھی بنا ہے اس سے وہ دوکان دار مراد ہے جو فرش یا بساط بچھا کر اس پر فروختنی اشیا چن دیتا ہے اور بساط خانے سے مراد وہ بازار ہے جہاں بساطیوں کی دوکانیں

ہوتی ہیں اور وہ اشیا بھی رکھ لی جاتی ہیں جو فروخت کی غرض سے بساط پر سجائی جاتی ہیں۔ ان سب الفاظ کی اردو اصل بسات، بساتی اور بسات خانہ ہے۔

بساط کے ایک اور معنی بہ معنی قوت اور حیثیت کے ہیں جیسے عاقل کی کیا بساط ہے جو وہ اکبر کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ یہاں "بسات" کا بہروپ یاے مفتوحہ سے "بَسات" ہے جو "بس" سے مشتق ہے اور قوت کے معنی دیتا ہے۔

سطر ۔ کتاب یا کاغذ پر کسی عبارت کی ایک سیدھی لکیر جو دائیں بائیں لکھی جاتی ہے۔ اسے عربی میں سطر کہتے ہیں لیکن اردو میں یہ لفظ ایک اور معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے "سرکش نوجوان ڈانٹنے والے کے سامنے ایک دم سطر ہو جاتا ہے"۔ یہ معنی عربی کے معنی سے مختلف ہیں اس لیے ان معنوں میں یہ لفظ خالص اردو کا ہے چناں چہ اس کی اردو اصل "ستر" ہے۔ جس کے بہروپ "سٹر" [سائٹر، سائٹ کی طرح] اور "سدھڑ" ہیں۔

طبلچی اور طبلیا ۔ طبلہ بجانے والے کو کہتے ہیں۔ اردو میں ان دونوں لفظوں کے اصلی مکتوبی روپ بھی تبلچی اور تبلیا ہیں۔ طبلے کی تشریح کے پیش نظر ان دونوں لفظوں کے بہروپ بھی تھپڑچی اور تھپڑیا ٹھہرتے ہیں۔

طبلہ ۔ اردو میں ایک مشہور باجے کا نام ہے۔ جس پر تھاپ لگا کر بجاتے ہیں اور جسے گلوکاروں اور سازندوں میں بہت اہمیت حاصل ہے لیکن عربی میں اس ساز کے لیے یہ لفظ نہیں بولا جاتا اور اس میں طبل، ڈھول یا نقارے کو کہتے ہیں۔ اس لیے یہ اردو ہی کا مخصوص لفظ ہے۔ جس کی اردو اصل تبلہ یا تبلا ہے۔ اس کا بہروپ تھپڑا یا تھاپڑا ہے۔ جس پر تال یا تھاپ لگائی جاتی ہے۔ اس کی ت کو ط سے اور آخری الف کو ہاے مختفی سے لکھ کر اسے دخیل نما بنایا گیا ہے۔

طرّار ۔ طوے اور تشدید کی موجودگی کے پیش نظر یہ عربی زبان کا لفظ قرار پاتا ہے جس کے معنی فریب کار اور گٹھ کٹے کے ہیں لیکن اردو میں یہ لفظ چست اور مستعد کے معنی میں بولا جاتا ہے اور لفظ "تیز" کے ساتھ "تیز طرّار" کے مرکب میں بھی مستعمل ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ

اردو کا لفظ ہے جو عربی کے لفظ سے الگ ہے۔ اس کی اردو اصل "ترار" ہے جس کا بہروپ "طرار" ہے۔

طرح ۔ یہ لفظ عربی میں بنیاد کے معنوں میں بولا جاتا ہے چناں چہ بنیاد رکھنے کو فارسی میں طرح افگندن کہتے ہیں لیکن اردو میں یہ لفظ "ڈھب"، "ڈھنگ"، "اسلوب" اور "وضع" کے معنوں میں مستعمل ہے۔ چناں چہ یہ ایک نہیں دو ہم صورت الفاظ ہیں جو دو زبانوں یعنی عربی اور اردو میں بولے جاتے ہیں اور الگ الگ معنی دیتے ہیں۔ ڈھنگ اور اسلوب کے معنوں میں یہ خالص اردو زبان کا لفظ ہے جس کا اصلی مکتوبی روپ "ترا" اور "ترے" ہے۔ یہ لفظ بعض اوقات ہمارے یہاں "وضع طرح" کے مرکب میں بھی ایک جزو کی حیثیت سے بولا جاتا ہے۔ "ترا" کا بہروپ "دھرا" ہے اور "دھرا" بھی وضع کو کہتے ہیں اور "ترے" کے معنی میں "کے طریقے یا ڈھنگ سے۔ کے مانند" جیسے وہ مجھ سے اس طرح پیش آتا ہے جیسے میرا سگا بھائی ہو۔ تم جوانوں کی طرح سینہ تان کر چلا کرو۔ اردو میں "دھار" اور "تار" دونوں لفظ طور طریقے اور وضع اسلوب کے معنی دیتے ہیں جیسے مثل ہے کہ تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔"

اردو میں اس کے ایک اور معنی بھی ہوتے ہیں یعنی باقی نکالنا یا خارج کرنا جیسے پانچ میں سے دو طرح کیے تو تین بچے یا میں طرح دیتا رہا لیکن وہ تو سر پر چڑھتا ہی چلا گیا۔ ان دونوں موقعوں پر "طرح کرنا" کے معنی ہیں ٹالنا۔ چناں چہ "طرح کرنا" کا بہروپ ہے "ٹالا کرنا" اور "طرح دینا" کا بہروپ ہے "ٹلا دینا" یعنی ٹال دینا، ٹالنا۔ غرض اس لفظ میں ت کو ط سے، ر ے کو لام سے اور ح کو الف اور ے سے بدلا گیا ہے۔

طشتری ۔ بہ ظاہر یہ لفظ بھی عربی الاصل لگتا ہے لیکن عربی میں رائج نہیں ہے البتہ اردو میں چھوٹی رکابی کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کی اردو اصل "تشتری" ہے جس کا بہروپ "تسلی" اور دوسرا "تھالی" ہے۔ "تسلی" کی ت کو ط سے، س کو ش سے اور لام کو رے سے بدل کر اور رے سے پہلے ایک اور زائد ت کا اندراج کر کے طشتری بنا لیا گیا ہے اور اب یہ لفظ اپنی ہی زبان میں

بدیسی یعنی دخیل نما نظر آنے لگا ہے۔

طعنہ۔ اس لفظ کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے کہ اس کی اردو اصل "تانا" ہے جس کے بہروپ "تانسا" اور "میسا" ہیں اور ان کا مطلب ہے تکلیف دینے اور ستانے والے بول یا واقعہ۔

طلا۔ عربی میں سونے کی قیمتی دھات کو کہتے ہیں لیکن اردو میں یہ مالش کی ایک دوا کا نام ہے جسے اطبا تیل سے تیار کرتے ہیں چناں چہ دوا کے معنوں میں یہ اردو زبان کا لفظ ہے جس کی اصل تلا [تیل یعنی تیل کا] ہے۔ پنجاب میں اس لفظ کو مشدد لام کے ساتھ "طلّا" کہتے ہیں اور جوتوں پہ سنہری تاروں سے بنے ہوئے بیل بوٹوں کے لیے بولتے ہیں۔ عربی میں اس کے یہ معنی نہیں ملتے چناں چہ لفظ "طلا" بھی دیسی ہے جس کی اصل "تلا" ہے۔ اس کا بہروپ "تارا" [تاروں والا] ہے جو تار پر لاحقہ نسبتی "آ" بڑھا کر بنایا گیا ہے اور لام اور رے کا متبادل ہماری دیسی زبانوں میں عام ہے چناں چہ "طلے کے کام" کا مطلب "تاروں کا کام" نکلتا ہے۔ تلا اور تلا کے دونوں الفاظ کی ت کو ط سے بدل کر دو دخیل نما الفاظ طلا اور طلا تیار کیے گئے ہیں۔

طنبورہ۔ یہ بھی اردو میں ایک مشہور باجے کا نام ہے جو عربی نژاد معلوم ہوتا ہے لیکن عربی میں ان معنوں میں بولا نہیں جاتا جن معنوں میں یہ اردو میں رائج ہے۔ اس کا ایک اور بہروپ "تمبورا" بھی ہے جس میں ط کی جگہ ابتدائی ت ہی لکھی جاتی ہے۔ یہ دخیل نما لفظ ہے۔ اس کی اردو اصل تونبرا یا تونبڑا ہے کیوں کہ یہ تونبے سے بنتا ہے یا تونبے کی شکل کا ہوتا ہے۔ یہی اس کی وجہ تسمیہ ہے۔ اس لفظ میں بھی ابتدائی ت کو طوے سے بدل دیا ہے۔

طوطا۔ یہ لفظ بہ ظاہر عربی کا معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس میں ایک چھوڑ دو دو طوے موجود ہیں۔ ہمارے یہاں یہ ایسے پرند کا نام ہے جس کا رنگ شوخ ہرا ہوتا ہے اور جس کی گردن کے گرد سرخ رنگ کا حلقہ ہوتا ہے۔ اس کے عربی الاصل ہونے کا التباس ایک اور لفظ "طوطی" کی وجہ سے بھی ہوتا ہے جو طوطے سے مختلف پرند کا نام ہے اس شبہے کو دونوں الفاظ میں طوے کی موجودگی کے علاوہ طوطی کی چھوٹی یے سے بھی تقویت ملتی ہے جسے اردو والے غلطی سے یا ے تانیث شمار کر کے طوطے کو

طوطی کا مذکر سمجھ بیٹھے ہیں اور یہ نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دونوں کے سُر مختلف ہیں یعنی طوطے کی سُر کومل اور طوطی کا سر تیور ہے چناں چہ اس حقیقت کے پیش نظر کہ اردو میں جس پرند کو طوطا کہتے ہیں وہ عربی زبان میں طوطا نہیں کہلاتا یعنی یہ لفظ عربی زبان میں رائج نہیں ہے۔اس وجہ سے یہ اردو زبان کا لفظ ثابت ہوتا ہے جس کا مکتوبی روپ ''توتا'' ہے جو مادہ ''توت'' پر لاحقہ مذکرہ ''آ'' بڑھانے سے بنتا ہے۔''توت'' کا ایک بہروپ ''ٹر'' [ٹرٹراہٹ یا ٹراپن] اور توتا کا بہروپ ''ٹرا'' بنتا ہے اور ''ٹرا'' ٹرٹر کرنے یا ٹرٹرانے والے کو کہتے ہیں۔[عربی کو طوطے کو ببغا کہتے ہیں]

طوفان۔ فارسی زبان میں سیلاب جوش اور طغیانی کے معنوں میں بولا جاتا ہے جو سمندر یا دریاؤں میں تیز ہوا کے باعث پیدا ہو جاتی ہے۔اس کی فارسی اصل ''توفان'' ہے یعنی فارسی والوں نے اپنی ت کی جگہ طوے داخل کر کے اسے معرب بنانے کی کوشش کی ہے لیکن اردو میں یہ لفظ الزام اور بہتان کے معنوں میں بولا جاتا ہے اور ''آنے'' [طوفان آنا] اور ''اٹھنے'' [طوفان اٹھنا] کے بجائے باندھنا [طوفان باندھنا] اور جوڑنا [طوفان جوڑنا] کے افعال کے ساتھ استعمال ہوتا ہے بلکہ اسے طوفان کھڑا کرنا بھی بولتے ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو کا یہ لفظ فارسی کے لفظ سے الگ ہے چناں چہ اس کی اردو اصل ''توپان'' ہے جس کا بہروپ ''تھوپان'' ہے اور جس کے معنی ہیں تھوپے جانے یا سر منڈھے جانے والی غلط بات، الزام۔

واسطے۔عربی میں ذریعے کو کہتے ہیں جیسے بزرگان دین کے واسطے سے دعا مانگو تو خدا جلدی قبول کر لیتا ہے لیکن اردو میں یہ لفظ غرض اور مقصد کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے جیسے میں آپ کے پاس ایک کام کے واسطے آیا تھا۔ان معنوں میں یہ خالص اردو کا لفظ ہے اور عربی کے لفظ سے قطعی الگ ہے چناں چہ اس کی اردو اصل ''واستے'' ہے جس کا بہروپ ''مارے'' ہے اور اس کے معنی ہیں ''لیے'' یا سبب سے، غرض سے وغیرہ۔چناں چہ مندرجہ بالا جملے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ میں آپ کے پاس ایک کام کے لیے، کام کے مارے یا کام کے سبب یا کام کی غرض سے آیا تھا۔

باب ششم

ذ ز ض ظ: کے داخلے سے بننے والے الفاظ

اردو سماج کے ان پڑھ اور کم سواد طبقے کی بول چال کا دستور یہ ہے کہ فارسی عربی کے جن الفاظ میں ان کی خصوصی آوازیں ذ ز ض ظ استعمال ہوتی ہیں انھیں ج کی آواز سے بدل کر ادا کرتے ہیں چناں چہ وہ ذلیل کو جلیل، مزے دار کو مجے دار، ضرورت کو جرورت اور منظور کو منجور بولتے ہیں۔اس کے بالکل برعکس سماج کا وہ طبقہ جو عربی فارسی سے واقف ہے اور جو اپنے آپ کو تعلیم یافتہ سمجھتا ہے اردو کے ان الفاظ میں بھی جن میں ج، جھ کی آوازیں بولی جاتی ہیں عربی فارسی کے حروف ذ ز ض اور ظ داخل کر لیتا ہے۔اس طرز تلفظ کی وجہ سے دیسی الفاظ میں بھی بہ ظاہر عربی فارسی کی شان آجاتی ہے اور بولنے والوں کی علمیت کی دھاک بیٹھ جاتی ہے۔ان لوگوں کا یہ طرز عمل اور انداز فکر نہ صرف مشیخت اور علم نمائی کا غماز ہے بلکہ ان کی مرعوبیّت اور احساس کم تری پر بھی دلالت کرتا ہے۔ذیل میں اردو کے کچھ ایسے الفاظ پیش کیے جارہے ہیں جن میں ج اور جھ کی آوازوں کو مندرجہ بالا فارسی عربی کے حروف سے بدل دیا گیا ہے اور اب وہ اپنے ہی ماحول میں اجنبی ہو گئے ہیں جیسے وہ فارسی عربی سے مستعار لیے گئے ہوں۔

بازی۔ یہ لفظ کھیل کے عام معنوں میں بولا جاتا ہے لیکن اردو میں اس کے علاوہ کچھ اور معنوں میں بھی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے اس لیے وہاں اس کا اصل اردو روپ ''باجی'' ہے۔مختلف معنوں کی مثالیں یہ ہیں:

[۱] جان کی بازی۔ فلسطینیوں نے وطن کی خاطر جان کی بازی لگادی ہے۔

یہاں اس لفظ کے معنی ''قربانی'' کے ہیں اور اس کا بہروپ ''بدھی'' [بدھ] ہے۔

[۲] سو سو روپے کی بازی۔ بھارت اور پاکستان کے کرکٹ میچ میں تماشائیوں نے سو سو روپے کی بازی لگادی تھی۔یہاں اس لفظ کے معنی ''شرط'' کے ہیں اور اس کا بہروپ ''بدی'' ہے جو ''بدنا'' سے بنا ہے۔

[۳] کبوتر بازی۔ رنڈی بازی۔ نخرے بازی وغیرہ۔ان مرکبات میں اس لفظ کے معنی شغل،مشغلے، عادت اور شوق کے ہیں اور اس کا بہروپ ''بندھی'' ہے۔

تعزیہ ۔ ع اور ز کی موجودگی کے پیش نظر لوگ اسے عربی لفظ ''عزا'' سے مشتق سمجھتے سمجھاتے ہیں۔یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضے کی نقل کا نام ہے جسے لوگ ابرک،پنی،کاغذ اور بانس کی کھپاچوں وغیرہ سے تیار کر کے محرم کے دنوں میں نکالتے اور گشت کرتے ہیں۔لوگ اس کی زیارت کرتے اور امام حسین علیہ السلام کی مصیبت یاد کر کے روتے ہیں اس لیے ہمارے عربی فارسی پڑھے ہوئے لوگ اسے عربی مادے ''عزا'' سے مشتق کرتے ہیں۔ان کے نزدیک اس لفظ کی اصل ''تعزیت'' ہے اور تعزیت کے معنی ہیں پرسا لیکن وہ یہ نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تعزیہ پرسا نہیں ہوتا نہ پرسا دینے کی غرض سے نکالا جاتا ہے۔بلکہ امام کے روضے کی شبیہہ ہوتا ہے اس لیے یہاں کھینچ تان کر بھی یہ معنی نہیں بیٹھتے۔ قیاس کہتا ہے کہ روضے کی شبیہہ ہونے کے اعتبار سے اس میں امام کے روضے کی کوئی ایسی شباہت یا خصوصیت ضرور ہونا چاہیے جس کے پیش نظر اس کا یہ نام رکھا گیا ہے اس لیے میرے نزدیک یہ لفظ اردو کا ہے اور اس کی اردو اصل ''تاجیا'' ہے اور تاج گنبد کو کہتے ہیں اور گنبد ہی تعزیے کا نمایاں اور اہم حصہ ہوتا ہے لہذا تاجیا کے معنی ہوئے تاج یعنی گنبد والا روضہ۔میں اپنے اس خیال کی تائید میں ''تاج محل'' کا نام پیش کرتا ہوں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا نام شاہ جہاں بادشاہ کی بیگم ممتاز محل کے نام پر رکھا گیا ہے لیکن یہ دور کی کوڑی لانے

والی بات ہے۔اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اس کا نام ''ممتاج محل'' ہوتا ملکہ کے آدھے نام پر اس کے مقبرے کا نام رکھنا قرین عقل بات نہیں ہے کیوں کہ یہ مرنے والی ملکہ کی بے حرمتی کے مرادف بات تھی جسے شاہ جہاں ہرگز گوارا نہیں کرسکتا تھا۔اس عمارت کا نام بھی تاج یعنی گنبد کی رعایت سے تاج محل رکھا گیا ہے جس کے معنی ہیں تاج یعنی گنبد والا محل ۔اسے عام محلوں سے ممتاز کرنے کے لیے اس کا نام تاج محل رکھا گیا ہے کیوں کہ عام محلوں پر گنبد نہیں ہوتے ۔

تیز پات ۔ ایک درخت کا پتا ہے جو گرم مصالحے کے ایک جزو کے طور پر سالن میں ڈالا جاتا ہے۔اس کے نام سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سے سالن میں تیزی آجاتی ہوگی لیکن اس کا تیزی سے کوئی خصوصی تعلق نہیں ہے کیوں کہ گرم مصالحے کے دوسرے اجزا مثلاً لونگیں اور کالی مرچیں اس سے کہیں زیادہ تیز اور چرپری ہوتی ہیں۔اگر تیزی کی خصوصیت پر ہی نام رکھا جاتا تو لونگوں کا اور کالی مرچوں کا حق مرجح اور مقدم ہوتا۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ لفظ فارسی کا نہیں اردو کا ہے اور اس کا اصل اردو روپ ''**تیج پات**'' ہے اور تیج اس درخت کا نام ہے جس کا یہ پتا ہے۔اس لفظ میں ج کو ز سے بدلا گیا ہے ۔

درز۔ فارسی میں یہ لفظ سیون اور جوڑ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔اس سے لفظ درزی [بہ معنی سینے والا، خیاط] بنا ہے لیکن اردو کا لفظ فارسی کے لفظ سے مختلف ہے کیوں کہ اردو میں درز ایک باریک طویل شگاف کو کہتے ہیں چناں چہ یہ لفظ ''جھری'' معنوں میں عام طور سے ہماری بول چال میں استعمال ہوتا ہے۔اس معنوی اختلاف سے یہ اردو کا لفظ قرار پاتا ہے۔اس کی اردو اصل ''درج'' ہے جس کا بہروپ ''گرج'' ہے اور گرج کے معنی ایک طویل شگاف کے ہیں۔اسی سے فعل گرجنا [بہ معنی چیخ کر طویل شگاف پڑ جانا] بنا ہے۔گرجا ہوا موتی یا گرجی ہوئی دیوار ایسے ہی چٹخے ہوئے موتی اور تڑخی ہوئی دیوار کو کہتے ہیں جس میں گرج یا درج [درز] یعنی باریک سا طویل شگاف پڑ گیا ہو۔

دھیز۔لڑکی کی شادی کے بعد رخصتی کے وقت اسے میکے کی طرف سے جو سامان

یعنی کپڑے، زیور اور فرنیچر وغیرہ دیا جاتا ہے اردو میں دہیز کہلاتا ہے۔ عربی میں اسے جہیز کہتے ہیں۔ دہیز کا لفظ فارسی میں نہیں بولا جاتا اس لیے یہ خالص اردو کا لفظ ہے۔ اس کی اردو اصل ''دیج'' ہے جس کے بہروپ دیج، دیج اور دین ہیں اور دین کے معنی ''دی جانے والی شے'' کے ہیں۔

ذات۔ عربی میں یہ لفظ نفس، ہستی یا وجود کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے حامد اپنی ذات سے بہت نیک ہے یا ٹکے کی ہانڈی گئی سو گئی کتے کی ذات تو پہچانی گئی لیکن اردو کے عوام اسے ایک اور معنی میں بھی بولتے ہیں جیسے نراین سنگھ ذات کا ٹھاکر ہے۔ بخشو ذات کا قصائی ہے۔ کبیر ذات کا جلاہا، نام دیو درزی اور سورداس چمار تھا۔ اسلام ذات پات میں فرق نہیں کرتا لیکن ہندوؤں میں ذات پات کا فرق بہت مانا جاتا ہے۔ ان جملوں میں ذات سے قوم مراد ہوتی ہے جس کی اساس نسل اور پیدائش پر قائم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو کا یہ لفظ ''ذات'' عربی کے ''ذات'' سے مختلف ہے۔ اس کا صحیح اردو روپ ''جات'' ہے۔ یہ لفظ مادہ ''جا'' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پیدا کرنا۔ اس لفظ میں ج کو ذ سے بدلا گیا ہے۔

ذرا۔ اس لفظ کی داستان بہت دل چسپ ہے کیوں کہ لوگوں نے اس کا اشتقاق تلاش کرنے میں اپنی اپنی طبیعت کی جولانیاں دکھائی ہیں۔ کوئی اسے زرہ سے مشتق بتاتا ہے اور کوئی عربی لفظ ''ذرّہ'' سے کیوں کہ ذرّہ بہت چھوٹا سا دانہ ہوتا ہے اور میں لفظ ''زرا'' بھی نہایت قلیل کے معنوی میں بولا جاتا ہے لیکن دونوں میں ایک فرق تو یہ ہے کہ ''ذرہ'' میں عربی ''ذرّہ'' کی تشدید نہیں ہے دوسرے اس میں عربی لفظ کی ہائے مختفی کی جگہ الف ہے جیسے آپ سے میرا یہ ذرا سا کام بھی نہیں ہوسکا۔ یہاں کام کو ذرے کے برابر بتانے میں تو خیر کوئی ایسا مضائقہ بھی نہیں ہے لیکن اس جملے میں کہ ''ذرا رکیے میں ابھی آیا'' ذرہ کا مفہوم بالکل ہی مہمل لگتا ہے۔ دراصل ''ذرا'' کو ذرہ سے مشتق سمجھنے سمجھانے میں ذال کو بہت بڑا دخل حاصل ہے

جو عربی کی آواز ہے اور جس کا وجود فارسی میں متنازعہ فیہ ہے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ اہل لکھنو ذرا کو زے سے ''زری'' لکھتے بولتے ہیں جیسے ''زری رکیے میں ابھی حاضر ہوا''۔ انھوں نے اس میں دو تبدیلیاں کی ہیں۔ایک تو ذال کو ز سے بدل دیا ہے جس کے باعث اس کا تعلق اب فارسی سے بھی قائم ہو گیا کیوں کہ زے کا حرف فارسی زبان میں بھی ملتا ہے اور دوسرے انھوں نے آخری الف کی جگہ چھوٹی یے بھی داخل کر دی جس سے عربی کی ہائے مختفی [ذرّہ] کا پتا بھی کٹ گیا اور اردو قواعد کے مطابق یہ لفظ مذکر سے مونث بن گیا لیکن ان دونوں تبدیلیوں سے بھی اشتقاق کی مشکل حل نہیں ہو سکی نہ اس لفظ کے معنی میں ہی کوئی فرق واقع ہوا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ نہ عربی کا ہے نہ فارسی کا بلکہ خالص اردو کا مال ہے اور اس کی اصل ''جرا'' ہے۔ میں نے اردو بولنے والی بڑی بوڑھیوں کو انھیں معنوں میں ''جرم جلا'' کا مرکب بھی بولتے سنا ہے جس کا دوسرا جزو ''جلا'' بھی ''جرا'' ہی کا ایک بہروپ ہے۔ اس کا ایک بہروپ ''جھرکنا'' بھی ہے اور یہ بھی قدرے قلیل کے معنوں میں مستعمل ہے۔ چناں چہ اس لفظ [ذرا] میں بھی ج کو ذال سے بدلا گیا ہے۔

زڑ۔ یہ لفظ تو ویسے بھی اردو کا لگتا ہے۔اگر اس کی ابتدا میں عربی فارسی کا حرف زے ہے تو آخر میں اردو کا ڑ ہے جو اردو کے سوا عربی فارسی میں نہیں ملتا۔یہ لفظ لگا تار گفتگو کے معنوں میں بولا جاتا ہے اس کی اردو اصل ''جھڑ'' ہے اور ''جھڑ'' اور ''جھڑی'' دونوں سلسلے کے معنوں میں رائج ہیں چناں چہ مسلسل بارش ہونے کو جھڑ یا جھڑی لگنا بولتے ہیں۔اس لفظ میں جھ کو ز سے بدلا گیا ہے۔

زعفران۔ ایک خوشبودار پودے کا نام ہے جو مقبوضہ کشمیر میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کی پتیاں زرد رنگ کی ہوتی ہیں جنھیں سکھا کر مختلف کھانوں بلکہ دواؤں میں بھی ڈالتے ہیں۔ یہ لفظ بہ ظاہر عربی کا معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ٹھیٹھ اردو کا ہے۔اس کی اصل ''جاپھران'' ہے جیسا کہ عام لوگوں کو بولتے سنا ہے۔اس میں ج کو ز سے الف کو ع سے اور

پھ کو ف سے بدل کر بالکل بدیسی بنا دیا ہے۔ اسے ہندی میں کیسر کہتے ہیں۔ ''جاپھران'' کا بہروپ ''جاپان'' ہے جو جاپ [زرد رنگ] اور لاحقہ نسبتی ''آن'' سے مل کر بنا ہے۔ جاپ کا بہروپ چھاپ ہے اس طرح جاپان کا بہروپ چھاپان [یعنی چھاپے کا] بھی ہے۔ ہندوؤں میں نظر بد سے بچانے کے لیے کیسر کے چھاپے لگانے کا دستور ہے۔

ضامن ۔ عربی میں کسی شخص یا بات کا ضمانت دینے اور ذمے داری لینے والے کو ضامن کہتے ہیں اور اسے میم مکسورہ سے بولتے ہیں۔ کیوں کہ یہ لفظ اسم فاعل ہے اور ضمانت سے مشتق ہے۔ اس سے اردو کا ایک اور محاورہ امام ضامن باندھنا بھی ہے۔ مسلمانوں میں یہ عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص سفر پر روانہ ہوتا ہے تو کپڑے کی ایک دھجی یا پٹی میں کوئی سکہ لپیٹ کر اس کے بازو پر باندھ دیتے ہیں اور اس عمل کو امام ضامن باندھنا کہتے ہیں۔ اس وقت عورتیں کہتی بھی ہیں ''لو تمھیں امام ضامن کی ضامنی میں دیا''۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام سفر میں تمھاری حفاظت کریں گے اور تمھاری سلامتی کے ذمے دار رہیں گے۔ جب مسافر اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے تو امام ضامن کھول کر اس کی رقم کی مٹھائی منگواتا ہے اور اس پر امام رضا علیہ السلام کی نذر دلوا کر بچوں میں مٹھائی تقسیم کر دیتا ہے گویا یہ سکہ آٹھویں امام حضرت موسیٰ رضا علیہ السلام کی نذر کے لیے باندھا جاتا ہے۔

یہ عربی لفظ ''ضامن'' کی بات تھی لیکن اردو میں ضامن اس ذرا سے دہی کو کہتے ہیں جو دودھ جمانے کے لیے اس میں ملایا جاتا ہے۔ اس وقت اس لفظ کا تعلق ضمانت یا سلامتی وغیرہ سے نہیں صرف دودھ جمانے سے ہوتا ہے اور اسے میم مکسورہ سے نہیں میم مفتوحہ سے بولتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان معنوں میں یہ اردو زبان کا لفظ ہے اور اس کی اردو اصل ''جامن'' ہے جس کے معنی ہیں جمانے والا۔ اس لفظ میں ج کو ض سے بدلا گیا ہے۔

گزی ۔ ایک قسم کے موٹے اور مضبوط کپڑے کو کہتے ہیں جو عموماً کھڈی پر بنا جاتا ہے اور لفظ ''گاڑھا'' کے ساتھ ''گزی گاڑھا'' کے مرکب کی شکل میں موٹے جھوٹے کپڑے کے لیے بولا جاتا ہے ۔ یہ لفظ بہ ظاہر ''گز'' پر یائے تانیث کے اضافے سے بنا ہے جسے عوام گجی بولتے ہیں اور یہی اس کا اصل اردو روپ ہے ۔ اس کا اس ''گز'' کے ناپ سے کوئی تعلق نہیں ہے جو سولہ گرہ کا ہوتا ہے ''گجی'' کا بہروپ ''گچھی'' ہے جس کے معنی ہیں گچھا ہوا کپڑا ۔ دھاگے پاس پاس رکھ کر یعنی ان کے درمیان کم فاصلہ دے کر بنا ہوا ۔ گف کپڑا ۔

لحاظ ۔ ح اور ظ کی موجودگی سے یہ لفظ عربی الاصل ٹھیرتا ہے کیوں کہ یہ دونوں حروف عربی سے مخصوص ہیں چناں چہ عربی میں اس کے معنی خیال اور نقطۂ نظر کے ہیں ۔ جیسے آبادی کے لحاظ سے پاکستان دنیا کے ملکوں میں پانچویں نمبر پر ہے ۔ لیکن اردو میں اس لفظ کا ایک اور استعمال بھی ہے جیسے عورتیں چاہے بے پردہ ہوں پھر بھی مردوں سے لحاظ آتا ہے ۔ یہاں اس لفظ کے معنی شرم اور جھجک کے ہیں اور ان معنوں میں یہ خالص اردو کا لفظ ہے، جو عربی کے لفظ سے بالکل مختلف ہے ۔ اردو بول چال میں یہ لفظ شرم کے لفظ کے ساتھ بولا جاتا ہے جیسے اس لڑکی کا دیدہ سوائی ہے وہ کسی کا شرم لحاظ نہیں کرتی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اردو ہی کا لفظ ہے ۔ اس کی اردو اصل ''لاج'' ہے ۔ اس لفظ میں ج کو ظ سے بدل دیا ہے ۔

مذاق ۔ عربی میں اس کے معنی ذوق اور رجحان کے ہیں مثلاً جو کام کچھ کر رہی ہیں تو میں انھیں مذاق سخن نہیں ہے ۔ لیکن اردو میں یہ لفظ ہنسی، دل لگی، چہل، ٹھٹھول اور چھیڑ کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے جو عربی کے ان معنوں سے بالکل مختلف ہیں ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو کا یہ لفظ بھی عربی کے لفظ سے الگ ہے دہلی میں اسے ''مزاخ'' بولتے ہیں ۔ دہلی کے بادشاہ شاہ عالم کی تصنیف کی ہوئی کتاب ''عجائب القصص'' میں ایک جگہ نہیں کتنے ہی مقامات پر اس کی یہی املا نظر آتی ہے اور اردو کے عوام اسے ''مجاک'' بولتے ہیں اور یہی اس کی اردو اصل ہے ۔

مذاق اور مزاخ میں ق اور خ کی دونوں آوازیں اردو ک کا بدل ہیں جیسا کہ دوسرے لفظوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے اور ذا ور ز کی آوازیں اردو ج کا بدل ہیں جیسا کہ ہم اسی بیان میں دیکھتے چلے آرہے ہیں۔

ملاحظہ ۔ عربی میں یہ لفظ دیکھنے کے معنی میں آتا ہے۔ اردو میں عام طور پر ''معائنہ ملاحظہ'' کا مرکب بھی انھیں معنوں میں بولا جاتا ہے لیکن ہمارے یہاں ملاحظہ کا ایک استعمال اور بھی ہے جو لحاظ سے ملتا ہوا ہے۔ جیسے میں نے آپ کا ملاحظہ کر کے آپ کے چور ملازم کو چھوڑ دیا ورنہ میں اسے پولیس کے حوالے کر دیتا یا باپ تو ملاحظہ کر بھی جاتا ہے لیکن بیٹے کی تو آنکھ کا ڈھیلا ہی سفید ہے۔ اس سے رعایت، خیال اور پاس داری مراد لیتے ہیں۔ یہ معنی عربی کے معنوں سے مختلف ہیں اس لیے یہ لفظ بھی عربی کے لفظ سے مختلف ہے۔ اس کی اردو اصل ''ملاجا'' ہے جس کا بہروپ موں لاجا [یعنی موں کی لاج یا پاس داری] ہے۔ عوام کبھی کبھی اسے موں ملاحظہ بھی بول جاتے ہیں جیسے موں ملاحظے کی اور بات ہے ورنہ کام لینے کے لیے بہت رقم خرچ کرنا پڑتی ہے۔

نیچے چند اور دخیل نما الفاظ کی بھی اردو اصل دی جارہی ہے:۔

زپاٹا [چھپاٹا]۔ زناٹا [جھناٹا]۔ زق زق بق بق [جھک جھک۔ جھائیں جھائیں بائیں بائیں] وغیرہ۔

باب ہفتم

ث ش ص: کے داخلے سے بننے والے الفاظ

ث اردو کی بنیادی آواز نہیں ہے۔ پھر بھی اردو کے کتنے ہی الفاظ میں یہ آواز لکھی بولی جاتی ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ افراد نے اردو کے سین کو ث سے بدل دیا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے چند الفاظ پیش کیے جاتے ہیں:

آثار۔ یہ عربی لفظ ہے اور اثر کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں نتیجہ اور آثار کے معنی ہیں قدیم یادگاریں جن میں قدیم عمارتیں اور ادبی کتب شامل ہیں چناں چہ ہمارے یہاں ایک سرکاری محکمے کا نام بھی آثار قدیمہ ہے۔ جس کا کام پرانی عمارتوں کی حفاظت اور نگہداشت ہے آثار کے ایک اور معنی نشانات اور علامات بھی ہیں جیسے ان کے چہرے پر مایوسی کے آثار پائے جاتے تھے۔ آج بارش کے آثار ہیں لیکن اردو میں یہ لفظ ایک بالکل ہی مختلف معنی میں بولا جاتا ہے جیسے اس دیوار کا آثار ایک ہاتھ ہے یعنی اس دیوار کی چوڑائی ایک ہاتھ کے برابر ہے۔ ان معنوں میں یہ لفظ خالص اردو کا ہے جس کی اصل "آسار" ہے۔ اس کا بہروپ "آڑار" [آڑ یعنی سیدھ کا متقابل + لاحقہ آر بہ معنی چوڑائی] ہے۔

ثابت۔ عربی میں اس بات کو کہتے ہیں جس کا ثبوت دیا گیا ہو جیسے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ اس کے ایک اور معنی ہیں قائم ودائم۔ اس کی ضد سیار [پھرنے یا گردش کرنے والا] ہے۔ عربی میں یہ لفظ دونوں معنوں میں بائے مکسورہ سے بولا جاتا ہے لیکن اردو میں یہ مسلّم، سالم اور پورے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اسے بائے مضموم سے

بولتے ہیں جیسے پیالہ ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا لیکن ثابت رہا یعنی نہیں ٹوٹا۔ چناں چہ اس لفظ کی اردو اصل سابوت [بہ معنی سارا] ہے اور اس کا بہروپ "ساروت" ہے۔

ثـــار۔ اسی رجحان کے تحت ہمارے تعلیم یافتہ لوگ .... کے برابر کا وزن] کو ثار لکھتے بولتے ہیں۔

مراثی۔ ہمارے سماج کے ایک طبقے کا نام ہے جس کے افراد شادی بیاہ کرواتے ہیں اور شادیوں میں دولھا کے بزرگوں کا شجرۂ نسب شادی کی محفل میں شریک ہونے والوں کو سناتے ہیں۔ ہندوؤں میں یہ کام بھاٹ کرتے ہیں۔ مراثنیں بھی دو خاندانوں میں رشتۂ ازدواج قائم کراتی اور زنان خانے میں گانے بجانے اور سنگھارنے سنوارنے کا کام کرتی ہیں۔ شجرۂ نسب سنانے کے پیش نظر لوگ مراثی کو میراثی بھی بتاتے ہیں اور اس کا اشتقاق لفظ "میراث" سے دکھاتے ہیں لیکن عربی مراثی کے یہ معنی نہیں ہیں اس لیے یہ لفظ خالص اردو کا ہے جس کا اصل مکتوبی روپ "مراسی" ہے۔ اس کا بہروپ ملاسی ہے جس کے معنی ملاس یا میل کرانے اور ملانے والے کے ہیں۔ چوں کہ یہ شخص لڑکا لڑکی کا رشتہ طے کراتا ہے اس لیے اسے یہ نام [ملاسی] دیا گیا جو آگے چل کر مراسی، مراثی اور پھر میراثی ہو گیا۔

دوسرا حرف جس سے اردو کا سین بدلا گیا ہے، عربی فارسی کا شین ہے۔ یہ تبدیلی بول چال اور تحریر دونوں میں ہوئی اور نہایت آسانی سے ہو گئی۔ ہمارے یہاں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

پیچ کـش۔ یہ ایک اوزار کا نام ہے جس سے پیچ کو گھماتے ہیں۔ اس مرکب لفظ کا دوسرا جزو "کش" فارسی مصدر کشیدن [بہ معنی کھینچنا] کا مادہ ہے۔ اس تجزیے کے مطابق اس مرکب لفظ کے معنی ہوتے ہیں پیچ کھینچنے والا لیکن اس سے پیچ کھینچا نہیں کسا جاتا ہے۔ اس سے صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی اصل پیچ کس ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں پیچ کسنے والا۔

جہار شاہی۔ اگر چہ اس لفظ کا ایک جزو [شاہی] فارسی معلوم ہوتا ہے لیکن یہ لفظ فارسی زبان

میں مستعمل نہیں ہے ۔صرف اردو میں بولا جاتا ہے اور عموماً کھوٹے سکے کے لیے بولا جاتا ہے جیسے جھارشاہی روپیہ۔اس کی اردو اصل جھارسائی ہے جس کے بہروپ جھانسائی اور جالائی ہیں ۔اس کے معنی ہوتے ہیں دھوکے کا، جھانسا دینے والا، کھوٹا، قلب، جالی۔

خشک۔ یہ لفظ فارسی زبان میں سوکھے کے معنوں میں بولا جاتا ہے ۔وہ شے جس میں تری یا نمی نہ ہو خشک کہلاتی ہے لیکن جب ہم اردو میں یوں کہتے ہیں کہ قدیر بہت خشک آدمی ہے تو یہاں اس کے معنی مختلف ہو جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کا یہ لفظ فارسی کے لفظ سے الگ ہے جس کی اصل ''کھسک'' ہے ۔اس کا بہروپ ''کڑک'' ہے جس کے معنی سخت اور بے مروت کے ہیں ۔

خشکا۔یہ لفظ بہ ظاہر فارسی کے لفظ ''خشک'' پر الف نسبتی کے اضافے سے بنا ہے لیکن فارسی میں مستعمل نہیں ہے البتہ اردو میں ہم اسے دو معنوں میں بولتے ہیں ۔[۱] وہ ابلے ہوئے چاول جن میں پانی خشک ہو جانے سے سختی آجائے اور وہ پھریرے ہو جائیں ۔ [۲] سخت بے مروت آدمی جس کا دل کسی کی مدد کے لیے بھی نہ پسیجے جیسے بعض لوگ ایسے خشکے ہوتے ہیں کہ ہیں کہ کسی بھی معذور سائل کو بھی کچھ نہیں دیتے ۔اس لفظ کا اصل اردو روپ ''کھسکا'' ہے ۔اس سے بہروپ ''کڑکا'' بنتا ہے جس کے معنی سخت اور بے مروت کے ہیں ۔

خشکی ۔زمین کا وہ حصہ جس پر پانی نہ ہو فارسی میں خشکی کہلاتا ہے لیکن جب ہم اردو میں یوں بولتے ہیں کہ ریاضی پڑھاتے پڑھاتے استاد کے مزاج میں خشکی آگئی ہے تو یہاں اس کے معنی فارسی کے معنوں سے مختلف ہو جاتے ہیں اس لیے اردو کا یہ لفظ بھی فارسی لفظ سے الگ ثابت ہوتا ہے جس کی اصل ''کھسکی'' ہے ۔اس کا بہروپ ''کڑکی'' اور معنی سختی ہیں ۔

خشخشی ۔ اس لفظ میں خ اور ش کی دو دو دخیل آوازوں سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ فارسی کا لفظ ہو گا لیکن ایسا نہیں ہے ۔یہ لفظ صرف اردو میں رائج ہے اور ایسی داڑھی کی صفت کے طور پر بولا جاتا ہے جو باریک کٹی ہوئی ہو ۔اس کی اردو اصل ''کھس کھسی'' ہے ۔ممکن ہے

یہ لفظ ''خس'' سے بنا ہو جس کا ریشہ باریک اور کم لمبا ہوتا ہے اور جس کا بہروپ ''کانس'' کے علاوہ ''کات'' یا ''کاٹ'' بھی ہو سکتا ہے۔ ورنہ پھر اس کا بہروپ ''کٹ کٹی'' بھی مانا جا سکتا ہے جس کے معنی ریشے کے علاوہ تراشی ہوئی بھی ہو سکتے ہیں۔

رھائش۔ اردو میں یہ لفظ ''رہنے کی جگہ'' اور ''رہنے کے فعل'' کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اس کا آخری شین یہ دھوکہ دیتا ہے کہ یہ لفظ فارسی کا ہوگا لیکن یہ فارسی زبان میں ان معنوں میں مستعمل نہیں ہے۔ اس لفظ کا ابتدائی جزو ''رہ'' اردو کا فعل ضرور ہے لیکن اسے اردو کا لفظ ماننے میں رکاوٹ یہ ہے کہ ش اردو کی بنیادی آواز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دخیل نما لفظ ہے یعنی اس کی اصل اردو سے جس کے فعل ''رہنا'' سے فارسی کے حاصل مصدر کی تقلید میں گویا حاصل مصدر وضع کیا گیا ہے اور اردو کے س کو شین سے بدل دیا گیا ہے چناں چہ اس کی ابتدائی اردو صورت ''رہاس'' ہے جس کا مطلب ہے ''رہنے کی جگہ'' اور ''رہنے کا فعل'' دونوں۔

شادی ۔فارسی میں یہ لفظ خوشی کے معنوں میں مستعمل ہے لیکن اردو میں اس سے بیاہ کے معنی بھی مراد لیے جاتے ہیں جیسے ہر باپ اپنے جیتے جی بیٹی کی شادی کر دینا چاہتا ہے۔ ان معنوں میں یہ ٹھیٹھ اردو کا لفظ ہے جو فارسی کے لفظ سے الگ ہے۔ اس کا اصل اردو روپ ''سادی'' ہے جس کے بہروپ ''ساتھی'' [ساتھ سے] اور ''سنگی'' [سنگ سے] ہیں جو ساتھ اور سنگ کے متعلق عمل کے معنی دیتے ہیں۔ چوں کہ اردو کی شادی بھی خوشی کا باعث ہوتی ہے اس لیے عام پر اردو اور فارسی کے ان دونوں لفظوں کے باریک سے فرق کی طرف دھیان نہیں جاتا اور لوگ دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ اس لفظ میں سین کو شین سے بدلا گیا ہے۔

شان ۔ عام طور سے عربی میں اس لفظ کے معنی حالت اور شکوہ وغیرہ کے ہیں۔ اس سے فارسی کا مرکب لفظ ''شاندار'' اردو اور فارسی میں بہت عام ہے لیکن اردو میں کبھی کبھی یوں بولتے ہیں کہ یہ چاقو بہت اچھا ہے اس پر شان رکھوالو۔ یہاں اس کے معنی عربی کے معنوں سے مختلف ہیں اس لیے یہ یقین ہوتا ہے کہ ان معنوں میں یہ اردو کا لفظ ہے چناں چہ اس کی اصل ''سان'' ہے جس کے

معنی "دھار" کے ہیں۔

شافہ ۔ عربی میں شافی کے معنی شفا دینے والے کے ہیں لیکن شافہ اس سے مختلف ہے۔اس کا عربی لفظ "شیاف" سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔اردو میں شافہ صابن کی اس بتی کو کہتے ہیں جو پاخانہ لانے اور قبض دور کرنے کے لیے مقعد میں چڑھائی جاتی ہے۔چناں چہ یہ اردو کا لفظ ہے جس کی اصل "ساپھا" ہے اور "ساپھا" کے معنی "ساپھ" یعنی "صاف کرنے والا" ہیں۔

شام ۔ فارسی زبان میں غروب آفتاب کا وقت جب اندھیرا پھیلنے لگتا ہے شام کہلاتا ہے اور سنسکرت میں شام یا شیام "کالے" کو کہتے ہیں لیکن اردو میں چھڑی کے نچلے سرے پر چڑھائے جانے والے دھات کے خول کو شام کہتے ہیں۔ان معنوں میں یہ خالص اردو زبان کا لفظ ہے جو مندرجہ بالا دونوں زبانوں کے لفظوں سے بالکل الگ ہے چناں چہ اس کی اردو اصل "سام" ہے جس کے بہروپ "کھام" اور "کھول" [خول] ہیں۔

شپا ۔ یہ لفظ اردو میں کاریگری کے ذریعے اور وسیلے کے معنی دیتا ہے اور اسے فعل لگنا اور لگانا کے ساتھ بولتے ہیں۔یہ ٹھیٹھ اردو کا لفظ ہے اس کی اردو اصل "سپا" ہے جس کے بہروپ "سیپا" اور "چھپا" ہیں اور ان سے لکڑی کا وہ ذرا سا ٹکڑا مراد ہے جو خالی جگہ یا سوراخ میں ٹھر لگا جاتا ہے یعنی پچر۔

شتا ۔ہمارے یہاں بدکار عورت کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔اس کی اردو اصل "ستا" ہے جس کے بہروپ "چھٹا" اور معنی چھٹی ہوئی عورت کے ہیں۔اس لفظ کو کبھی کبھی آخری ہائے ہوز کے ساتھ "شتاہ" بھی لکھا دیکھا جا سکتا ہے۔

شدبد ۔ اردو میں معمولی جان کاری اور ابتدائی یا سرسری سی واقفیت کو کہتے ہیں مثلاً ریاضی میں ذرا سی شدبد حاصل کرنے کے لیے بھی سخت اور ریاضت کی ضرورت پڑتی ہے۔اس لفظ کی اردو اصل "سدبد" ہے جس کا بہروپ "سدھ بدھ" اور معنی سوجھ بوجھ ہیں۔

شلم ۔ عربی میں شد کے معنی زور کے ہیں چناں چہ اس سے تشدید بھی مراد ہوتی ہے لیکن لفظ

شدے اردو زبان میں جھنڈوں کے لیے بولا جاتا ہے چناں چہ محرم میں تعزیوں کے ساتھ شدے بھی نکالے جاتے ہیں۔اس لفظ کی اردو اصل "سدے" ہے جس کے بہروپ **"سونئے"** اور "سانئے" ہیں اور معنی علم یا جھنڈے ہیں۔

شراٹا۔ عربی فارسی میں نہیں صرف اردو میں بولا جاتا ہے۔اس کی اردو اصل "سراٹا" ہے جس کا تجزیہ یوں ہے:

سر [بہ معنی پانی] + آٹا [ایک لاحقہ جو آواز کے معنی دیتا ہے]۔اس کے معنی ہیں پانی کے بہنے کی آواز۔اس لفظ میں رے پر تشدید ہے اس لیے اس کی تسہیلی صورت **"سرسراٹا"** بھی بنتی ہے یعنی سرسر کی آواز۔

شریفہ۔ ایک مشہور میٹھے اور گول پھل کا نام ہے جس کے خول پر چھالے سے ابھرے ہوتے ہیں۔اسے شریف انسانوں سے کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے کیوں کہ اسے شریف اور رذیل سبھی کھاتے ہیں۔یہ لفظ عربی فارسی میں رائج نہیں ہے۔اردو میں ہی بولا جاتا ہے چناں چہ یہ اردو ہی کا لفظ ہے۔اس کی اردو اصل "سریپا" ہے جس کے بہروپ **"سرارا"** اور "چھلارا" [یعنی چھالا آرا] ہیں اور معنی ہیں "چھالوں والا"۔اس پھل کو **"سیتا پھل"** بھی کہتے ہیں جس کے بہروپ "سارا پھل" اور چھالا پھل" ہیں اور ان سے بھی یہی معنی نکلتے ہیں۔

شطرنج۔ یہ ہمارے یہاں کا ایک مشہور کھیل ہے جو دو حریفوں کے درمیان کھیلا جاتا ہے اور جو غالباً شاہی کے دور سے چلا آرہا ہے۔اسے ہندی اور **سنسکرت** میں چترنگ کہتے جس سے عربی لفظ "شطرنج" بنایا گیا ہے۔شطرنج کو اردو کے عوام ست رنج بولتے ہیں لیکن اس کی اردو اصل "چورنگ" ہے جس کے معنی وہی ہیں جو **سنسکرت** "چترنگ" کے ہیں یعنی چار پہلوؤں یا ضلعوں والا کھیل۔اس کا ایک اور **بہروپ** "چوڑنگ" بھی ہے جس کے معنی ہیں چوڑے چوڑے پہلوؤں یا ضلعوں والا۔چوں کہ اس کھیل کی بساط پر چوکور چوڑے چوڑے خانے بنے ہوتے ہیں اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔اس کا تجزیہ یوں ہے: چوڑ [چوڑا، چوکور] + رنگ [پہلو، رخ، ضلع] چناں چہ

اس کے معنی ہوئے چوڑے چوڑے پہلوؤں والا۔میرے نزدیک اس کھیل کا اصل اور ابتدائی نام "چوڑنگ" ہی ہے جس سے سنسکرت کا لفظ "چترنگ" ڈھالا گیا اور پھر اس سے عربی لفظ "شطرنج" وضع کیا گیا۔اس تشریح کی تائید ان کے دو الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔

شطرنجا ۔ ایک میٹھے سالن کا نام ہے جو پیٹھے کے چوکور اور چوڑے چوڑے ٹکڑوں کو شکر کے قوام میں پکانے سے تیار ہوتا ہے۔یہ لفظ "شطرنج" پر الف نسبتی بڑھا کر بنایا گیا ہے جس کے معنی ہیں شطرنج والا۔اسے عوام "ست رنجا" بولتے ہیں جس کی اصل "چوڑنگا" ہے۔

شطرنجی ۔اس بچھانے والی چادر کو کہتے ہیں جس کی بناوٹ میں چوکور اور چوڑے خانے بنے ہوتے ہیں۔یہ لفظ بھی شطرنج پر یائے نسبتی کے اضافے سے بنا ہے جس کے معنی ہیں شطرنج والی۔ اسے اردو کے عوام "ست رنجی" بولتے ہیں جس کی اردو اصل "چوڑنگی" ہے۔

شفتل ۔ یہ لفظ "شتل" کا مزید علیہ اور ہم معنی ہے اس کی اردو اصل "چھپتل" ہے جس کے بہروپ "شتل" ہے اور "چھتل" ہیں اور معنی ہیں چھپٹی ہوئی بد معاش عورت۔

شکر پارے ۔ اس لفظ پر فارسی الاصل ہونے کا گمان گزرتا ہے کیوں کہ "شکر" اور "پارہ" دونوں ہی فارسی کے الفاظ ہیں اور اس سے یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس کے معنی شکر کے ٹکڑوں یا دانوں کے ہوں گے یا اس سے مراد کوئی ایسے ہی میٹھے ٹکڑے ہوں گے جو کھائے جاتے ہوں لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اردو کا لفظ ہے کیوں کہ اس سے ایسے زنجیرے دار ٹکڑے مراد ہوتے ہیں جن کی شکلیں "معین نما" ہوتی ہیں چناں چہ اس لفظ کی اردو اصل "سکڑ پاڑے" ہے جس کا بہروپ "سانکل پڑے" ہے کیوں کہ ان ٹکڑوں کا کٹاؤ زنجیری شکل کا ہوتا ہے۔

شکر پڑیاں ۔ اسلام آباد کے قریب کی ایک پہاڑی کا نام ہے جو شکر پارے سے مختلف الاصل ہے۔یہ لفظ "شکر" اور "پڑیاں" سے مرکب ہے جس کی اصل "سکر پڑیاں" ہے اور جس کا بہروپ "سانکل پوڑیاں" ہے یعنی اس سے زنجیرے دار زینے یا مسلسل سیڑھیاں مراد ہیں کیوں کہ پوڑی پنجابی زبان میں سیڑھی کو کہتے ہیں چناں چہ یہ لفظ اس پہاڑی کی بناوٹ ظاہر کرتا ہے۔

شوشہ۔ کسی لفظ کے مکتوبی روپ میں مختلف حروف کے نکلے ہوئے جوڑ کو شوشہ کہتے ہیں لیکن جب ہم اردو میں اس طرح بولتے ہیں کہ "یہ شوشہ کس نے چھوڑا ہے" تو اس سے گرما دینے والی نئی بات مراد ہوتی ہے۔ ان معنوں میں یہ خالص اردو زبان کا لفظ ہے جس کی اصل "سوسا" ہے اور "سوسا" کے بہروپ "سلگا"، "سلکھا" اور "سلجا" ہیں۔ سلگا یا سلجا سے وہ چنگاری مراد ہے جس کی لگائی ہوئی آگ اندر ہی اندر دھیرے دھیرے بڑھتی پھیلتی چلی جاتی ہے۔

شیخی۔ بہ ظاہر یہ لفظ "شیخ" سے مشتق معلوم ہوتا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے شیخ سے منسوب لیکن حقیقت یہ نہیں ہے اردو بول چال میں یہ لفظ ڈینگ، دون اور بڑک کے معنوں میں بولا جاتا ہے اس سے شیخی بگھارنا اور شیخی مارنا وغیرہ محاورے بھی بنے ہیں۔ یہ معنی صرف اردو زبان سے مخصوص ہیں۔ یہ نہ عربی میں ملتے ہیں، نہ فارسی میں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ ان معنوں میں خالص اردو کا مال ہے چناں چہ اس کی اردو اصل "سیکھی" ہے۔ جس کے بہروپ سوکھی اور سیٹی ہیں۔ اس لفظ کا "شیخ" بہ معنی بزرگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کشتہ۔ فارسی میں کشتن مصدر سے اسم مفعول بنایا گیا ہے جس کے معنی ہیں مارا ہوا، قتل کیا ہوا، مقتول لیکن اردو میں یہ مخصوص معنی دیتا ہے۔ حکیم لوگ عام طور پر پھنکی ہوئی دھات کو کشتہ کہتے ہیں۔ یہ معنی خالص اردو کے ہیں اس لیے ان معنوں میں یہ اردو کا لفظ بن گیا ہے اس کی اردو اصل "کستا" ہے جس کا بہروپ "کٹا" ہے۔ اس کے معنی ہیں کٹی ہوئی چیز اور یہ حقیقت بھی ہے کہ کشتہ اس راکھ کو کہتے ہیں جو پھنکی ہوئی دھات کو کوٹنے سے حاصل ہوتی ہے۔

کشتی۔ اس لفظ کا بھی فارسی کشتن بہ معنی مار ڈالنا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اردو میں دو پہلوانوں کے حریفانہ داؤ پیچ کا نام ہے جس کے نتیجے میں ایک پہلوان دوسرے پہلوان کو پچھاڑ دیتا ہے۔ اس کی اردو اصل بھی کھستی ہے جس کا بہروپ "کٹی" ہے۔

مشعلچی۔ فارسی میں مشعل بردار کو کہتے ہیں۔ اور اس شخص کے لیے مستعمل ہے جو مشعلوں میں تیل ڈال کر انھیں روشن کرتا ہے لیکن ہمارے یہاں مشعلچی باورچی خانے میں کام کرنے والے

ایک ملازم کو کہتے ہیں جس کا فارسی مشعل سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا کام مسالا پیسنا ہے۔ چناں چہ اس لفظ کی اصل مسالچی معلوم ہوتی ہے جس کے سین کو شین سے اور الف کو عین سے بدل دیا گیا ہے اور الف کو عین سے بدلنے کی کتنی ہی مثالیں گزر چکی ہیں جیسے لعل [اصل لال بہ معنی سرخ]، نعل [اصل نال بہ معنی خراج، محصول]، جعل [اصل جال بہ معنی فریب] اور عاری [اصل آری یا ہاری بہ معنی عاجز، درماندہ] وغیرہ۔

مشکیں ۔یہ لفظ اردو میں باندھنا کے ساتھ ایک محاورہ بن جاتا ہے یعنی مشکیں باندھنا جس کے معنی ہیں کہنیاں پیچھے کی طرف باندھنا۔یعنی اس لفظ کے معنی کہنیوں کے ہیں۔اس کا مشک [یعنی مشک نافہ خوشبو] سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چناں چہ یہ لفظ اردو کا ہے اور اس کی اردو اصل ''مسکیں'' ہے جس کا بہروپ ''مڑکیں'' ہے اور مڑکیں کے معنی ''کہنیاں'' ہیں یعنی مڑک کہنی کو کہتے ہیں۔

مہاشیر ۔مچھلی کی ایک قسم کا نام ہے جو بہ ظاہر دو لفظوں ''مہا'' اور ''شیر'' سے مرکب ہے۔مہا سنسکرت میں بڑے کو کہتے ہیں جیسے مہادیو [بڑا دیوتا]، مہابیر [بڑا بیر یعنی بہادر]، مہاتما [مہا آتما یعنی بڑی ذات یا نفس، بزرگ] اور مہاپرش [بڑا انسان] وغیرہ اور ''شیر'' فارسی زبان میں ایک درندے کو کہتے ہیں۔اس طرح یہ لفظ سنسکرت اور فارسی کا مرکب نظر آتا ہے جو قرین قیاس ترکیب نہیں ہے پھر ''شیر'' کے ساتھ ''مہا'' [بڑا] کی صفت کا اضافہ غیر ضروری ہے کیوں کہ شیر اس صفت کے بغیر بھی بہت قوی الجثہ جانور ہوتا ہے جسے جنگل کا بادشاہ کہتے ہیں۔اس کے علاوہ ایک مچھلی کے لیے مہاشیر [بڑا شیر] کہنا بھی بے تکی سی بات ہے کیوں کہ اس میں درندگی نام کو نہیں ہوتی اور نہ اس کا جسم ہی کوئی اتنا بڑا اور قوی ہوتا ہے البتہ سیل مچھلی کو انگریزی میں سی لائن [یعنی بحری شیر] ضرور کہا جاتا ہے تو اسے یہ نام سجتا بھی ہے کیوں کہ سیل مچھلی عظیم الجثہ ہوتی ہے۔یہ اشکالات دلالت کرتے ہیں کہ اس لفظ کی آوازوں میں رد و بدل ہوا ہے جس کی اردو اصل ''مانسیر'' ہے اور جو ''مانس'' [گوشت] کے لفظ پر ''ایر'' کا نسبتی لاحقہ بڑھا کر بنایا گیا ہے اور جس کے معنی نکلتے ہیں

گوشت والی یعنی پر گوشت اور یہ معنی اس مچھلی کے حال کے مطابق بھی ہیں کیوں کہ یہ فربہ ہوتی ہے۔

ایسے ہی کچھ اور الفاظ بھی جن میں سین کی جگہ شین کی آواز داخل کر دی گئی ہے۔ ذیل میں اپنی اصل سمیت درج کیے جاتے ہیں:

اشغلہ یا اشقلہ [اصل اسکلا بہ معنی اسکانے یا اشتعال دلانے اور چونکا دینے والی بات]۔ ہشکارنا یا ہشکانا [اصل ہسکارنا یا ہسکانا بہ معنی اسکانا یا ابھارنا، اشتعال دلانا]۔

اسی سے ملتی جلتی صورت حال کچھ سنسکرت الفاظ کی بھی ہے جو اردو میں بہ ظاہر دخیل سمجھ کر بولے جا رہے ہیں حالاں کہ وہ خود اردو ہی کے الفاظ ہیں جو س کی آواز کو ش کی آواز سے بدل کر سنسکرت میں کسی وقت داخل کر لیے گئے تھے مثلاً:

شکتی [بہ معنی طاقت]۔ اس کی اردو اصل "سکت" یا "سکتی" ہے۔

منش۔ [بہ معنی انسان]۔ اس کی اردو اصل "مانس" ہے۔

آشا۔ [بہ معنی امید]۔ اس کی اردو اصل "آس" ہے۔

پاش۔ [بہ معنی پھندا]۔ اس کی اردو اصل "پھانس" ہے۔

شالا۔ [بہ معنی مکان یا جگہ]۔ اس کی اردو اصل "سال" یا "سالا" اور "سار" ہے جیسے دھرم شالا [مسافر خانہ] اور پاٹھ شالا [مکتب، مدرسہ] وغیرہ۔ ان کی اردو اصل دھرم سالا اور پاٹھ سالا ہے۔

بہ ظاہر یہ الفاظ بھی دخیل نما ہیں لیکن مندرجہ بالا دخیل نما الفاظ سے اس لیے مختلف ہیں کہ یہ سنسکرت میں مستعمل ہیں اور لفظ شطرنج سے مشابہ ہیں جو عربی میں اردو ہی سے گیا ہے چناں چہ یہ وہ الفاظ ہیں جو پردیس میں رہنے کے بعد اپنے وطن یعنی مادری زبان اردو میں واپس آ گئے ہیں یعنی یہ الفاظ کی اس قسم میں داخل ہیں جسے "پردیسی" کہتے ہیں۔

سین کوش اور شین کے علاوہ بہت سے الفاظ میں ص سے بدلا گیا ہے جو عربی کا حرف

ہے۔اس تبدیلی کی بھی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

صاحب۔یہ لفظ عربی میں مالک اور خاوند کے معنوں میں مستعمل ہے لیکن اردو میں ہرنام کے بعد احتراماً بڑھا دیا جاتا ہے جیسے خان بہادر صاحب، مولوی صاحب، پادری صاحب، کرشن چندر صاحب، کریم الدین صاحب، گلکرسٹ صاحب، کمشنر صاحب وغیرہ۔ چناں چہ اردو کے صاحب کا عربی کے صاحب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔میرے خیال میں اس کی اصل ساب یا ساو ٹھیرتی ہے اور ساو اردو میں بڑے آدمی کو کہتے ہیں۔ساب اور ساو باہم متبادل الفاظ ہیں جیسے تالاب اور تلاو چناں چہ کرشن چندر صاحب سے مراد کرشن چندر ساو۔گل کرسٹ صاحب سے مراد گل کرسٹ ساو اور کمشنر صاحب سے مراد کمشنر ساو ہے۔کبھی کبھی اس صاحب کے بعد بہادر کا لفظ بھی بڑھا دیا جاتا ہے جیسے کمشنر صاحب بہادر جس سے کمشنر ساو بہادر مراد ہے۔اردو میں اس ساب یا ساو کی جگہ ایک اور احترامی لفظ "جی" بھی بولا جاتا ہے جیسے خان بہادر جی پادری جی، کمشنر جی وغیرہ۔

صحیح۔یہ لفظ عربی زبان میں درست اور ٹھیک کے معنوں میں رائج ہے اور صحت کا اسم فاعل ہے لیکن اردو میں اس سے ہٹ کر دوسرے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے۔جیسے "اب اگر یہ ہے تو یہی صحیح"۔یہاں اس کے معنی "قرار پائی، طے ہوئی" کے نکلتے ہیں۔اس کا اردو روپ سہی بہ معنی "ٹھیری" اور بہروپ "رہی" ہے۔اس کا دوسرا استعمال یہ ہے۔"تم منہ سے بولو تو صحیح"۔اس جملے میں اس کے معنی کم سے کم اور قدرے قلیل کے ہیں۔اس کا بھی اردو روپ "سہی" لیکن بہروپ "جری" [بہ معنی ذرا] ہے۔اس کا ایک اور استعمال یہ ہے۔"تمھیں دوسروں کے نفع نقصان سے کیا مطلب تم اپنے مال کے پچاس روپے صحیح کرلو" اس جملے میں اس لفظ کے معنی "حاصل" اور "وصول" کے ہیں اس کا بھی اردو روپ "سہی" لیکن بہروپ "گہی" ہے جو "گہنا" بہ معنی لینا، پکڑنا سے بنا ہے۔

صلواتیں۔ یہ لفظ بظاہر عربی کے لفظ "صلوات" کی اردو جمع معلوم ہوتا ہے جس کے معنی درود

کے ہیں۔چناں چہ اس لفظ کے معنی ہوئے درودیں لیکن اردو میں یہ لفظ بری باتوں کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ایسے موقعوں پر بعض لوگ اپنی نافہمی کی بنا پر یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ اردو والوں نے یہ لفظ عربی سے مستعار لے کر اس کے معنی بدل لیے ہیں بلکہ بعض بعض لوگ تو ایسے موقع پر فریادی کرنے لگتے ہیں کہ ہائے ہائے دیکھو تو سہی یہ اردو والوں نے کیسا غضب ڈھایا ہے کہ عربی سے اتنا اچھا اور متبرک لفظ مستعار لیا اور پھر اس کو نہایت ذلیل معنی عطا کر دیے۔گویا ان لوگوں کی نظر میں اردو والوں کو اس کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ عربی کے اچھے اچھے لفظ مستعار لیتے اور انھیں برے معنی عطا کرتے رہیں۔

اردو میں یہ لفظ ایک محاورے ''صلواتیں سنانا'' کے پہلے جز و کی حیثیت سے بولا جاتا ہے جس کی اصل ''سل باتیں'' ہے۔عربی دانوں نے اردو کے لفظ کے سین کو صاد سے اور بے کو واو سے بدل کر اسے عربی کی شکل بخش دی اور پھر خود ہی عوام کی عدالت میں اردو والوں کے خلاف ازالۂ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کر دیا۔جب کہ حقیقت میں صلوات کی اردو اصل ''سل بات'' [بری بات]۔صلواتیں کی اردو اصل ''سل باتیں'' [بری باتیں] ہیں اور ''صلواتیں سنانا'' [یعنی سل باتیں سنانا] کا مطلب ہوتا ہے بری بری باتیں سنانا، برا بھلا کہنا۔

مصالح۔ یہ لفظ عربی میں مصلحت [بھلائی] کی جمع ہے لیکن اردو میں بطور واحد بولا جاتا ہے اور اس سے وہ اشیا مراد ہوتی ہیں جو سالن میں ملانے کے لیے سل بٹے سے پیسی جاتی ہیں۔ان میں لہسن، پیاز، ہلدی، دھنیا، مرچیں، وغیرہ شامل ہوتی ہیں۔جیسے گوشت کا مصالح، دال کا مصالح، پایوں کا مصالح وغیرہ۔ مصالح ان پر بھی لگایا جاتا ہے جس میں کتھا، چونا، چھالیا، لونگ اور چھوٹی الایچی وغیرہ جیسی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔گرم مصالحے میں لونگ، کالی مرچ، تیز پات، دار چینی، بڑی الایچی، وغیرہ شامل ہیں۔پھر کپڑوں پر ٹانکنے والے گوٹے، ٹھپے، بانک، دھنک، گوکھرو، لیس وغیرہ کو بھی مصالح کہتے ہیں اور تعمیر میں اینٹوں، پتھروں کو جوڑنے کے لیے چونے اور گچ یا ریت سیمنٹ وغیرہ کے آمیزے کو بھی مصالح بولتے ہیں۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اردو میں کئی

اشیا کے مرکب یا آمیزے کو مصالح کہتے ہیں جس کا عربی مصلحت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اس لیے اس کی اردو اصل ''مسالا'' ٹھیرتی ہے جس کے سین کو صاد سے اور آخری الف کو ہائے مختفی کی جگہ ہائے ہٹکی سے بدلا گیا ہے اور آخری الف اور ہائے مختفی کے تبادل کی مثالیں اردو میں بکثرت پائی جاتی ہیں جیسے بھروسہ [بھروسا]، پیسہ [پیسا] خرچہ [خرچا]، دھوکہ [دھوکا] وغیرہ چناں چہ ملائی جانے والی اشیا کو اردو میں مسالا کہتے ہیں اور مسالا کے بہروپ ماس آلا اور مالالا [= مال+آلا یعنی مال والا] ہیں۔راج معمار لوگ ریت سیمنٹ کے آمیزے کو مال بھی کہتے ہیں۔

مصری ۔ یہ لفظ عربی کے لحاظ سے ملک مصر سے نسبت ظاہر کرتا ہے جس کے معنی ہوئے ملک مصر کا یا ملک مصر سے تعلق رکھنے والا لیکن اردو میں مصری جمی ہوئی سفید شکر کی ڈلی کو کہتے ہیں جو ہمارے ہی ملک میں بنائی جاتی ہے اور جس کا ملک مصر سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا اور نہ کبھی ملک مصر سے درآمد کی گئی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ میں بھی سین کو صاد سے بدلا گیا ہے جس کی اصل ''مسری'' ہے۔اس کا بہروپ مٹھری [میٹھے یعنی شکر کی بنی ہوئی میٹھی] ہے۔

مصلی۔ عربی میں نماز گزار کو کہتے ہیں لیکن ہمارے یہاں ہندوستان کی ایک قدیم ذات کے ان افراد کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے ورود ہند کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔یہ لوگ بیشتر پنجاب میں آباد ہیں۔انھیں کے کچھ بھائی بند نصاریٰ کے ورود ہند کے بعد عیسائی ہو گئے تھے اور ابھی تک عیسائی چلے آرہے ہیں۔چناں چہ مصلی کی اردو اصل ''مسلی'' ہے جو مسلمان کی بگاڑی ہوئی شکل ہے۔بھارت کے غیر مسلموں میں مسلمانوں کو آج بھی حقارت سے ''مسلا'' کہا جاتا ہے۔اس سے یقین ہوتا ہے کہ اس مسلمان جماعت کو بھی ہندوؤں ہی نے ''مسلی'' نام دیا ہوگا جو آج تک چلا آرہا ہے۔

باب ہشتم

خ: کے داخلے سے بننے والے الفاظ

خ کی آواز عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں مشترک ہے لیکن اردو کی بنیادی آوازوں سے غائب ہے۔ اب جن اردو الفاظ میں خ کا حرف نظر آتا ہے یا بولا جاتا ہے انھیں ہمارے عربی فارسی پڑھے لکھوں نے گویا عربی فارسی بنانے کی کوشش کی ہے۔ اردو کے الفاظ میں خ کا حرف ک اور کھ دونوں آوازوں کے بدل کے طور پر لکھا بولا جاتا ہے۔ یہاں پہلے وہ الفاظ مع تشریح درج کیے جاتے ہیں جن میں کھ کو خ سے بدلا گیا ہے:

بخاری ۔ عربی فارسی میں بخار [بہ معنی دھواں] یا شہر بخارا کا اسم نسبتی ہے یعنی بخار یا بخارا سے منسوب یا بخارا کا رہنے والا لیکن اردو میں اس کے ایک اور معنی ''منہ والی ''کھتی'' کے بھی ہیں جس میں غلہ وغیرہ بھرا جاتا ہے۔ ان معنوں میں یہ عربی فارسی کے لفظ سے الگ خالص اردو زبان کا لفظ ہے۔ اس کی اردو اصل ''بکھاری'' ہے جس کا بہروپ ''مکھاری'' [مکھ بہ معنی منہ یا سوراخ اور لاحقہ نسبتی ''آری'' سے مرکب] ہے۔

خاصا ۔ عربی میں لفظ خاص کے معنی اہم اور ضروری کے ہیں لیکن اردو میں لفظ ''خاصا'' تین اور معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ [۱] شاہی طعام ۔ ان معنوں میں اس کا بہروپ ''کھاجا'' [بہ معنی کھانے کی چیز، کھانا، غذا] ہے۔ [۲] ایک قسم کا موٹا کپڑا۔ ان معنوں میں اس کے دو بہروپ ''کھسا'' اور ''کورا'' ہیں جن کا مطلب ہے کھڈی کا بنا ہوا موٹا کپڑا ہے۔ [۳] اچھا۔ ان معنوں میں یہ لفظ اچھا کے ساتھ خاصا کے مرکب میں بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں

اس کا بہروپ ''کھرا'' ہے۔

خفا ۔اس لفظ کا ٹ اسے خالص اردو کا لفظ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے جو عوام کی بول چال غصے کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔اس کی اصل ''کھٹا'' ہے جس کے بہروپ ''گٹا'' اور ''گولا'' ہیں۔

خدکا ۔ یہ لفظ عربی فارسی میں نہیں ،صرف اردو میں ہی بولا جاتا ہے۔جس کے معنی ہاتھ کے انگوٹھے کے ہیں اور جو ''خدکا دکھانا'' کے محاورے میں انکار کے معنی دیتا ہے۔اس کی اصل کھدکا ہے جس کا بہروپ ''کدکا'' [بہ معنی کدکنے والا، کودنے ، اچھلنے والا] ہے۔

خراٹا ۔ اس لفظ میں ٹ کی آواز اسے بیانگ دہل اردو کا لفظ ثابت کر رہی ہے۔اس میں صرف خ کا حرف داخل کیا گیا ہے چناں چہ اس کی اصل ''کھراٹا'' ہے۔اس میں ''کھر'' اس آواز کی نقل ہے جو سوتے میں سونے والے کے منہ سے نکلتی ہے اور ''آٹا'' کا لاحقہ آواز کے معنی دیتا ہے۔یوں ''کھراٹا'' کا مطلب ''کھر کھر کی آواز'' یعنی ''کھر کھراہٹ'' ہے۔

خرچ ۔ وہ رقم جو ضروریات زندگی پوری کرنے پر اٹھائی جاتی ہے اردو میں خرچ کہلاتی ہے۔ہمارے پڑھے لکھے لوگ اس لفظ کو عربی کے لفظ ''خرج'' [بہ معنی نکاس] سے مشتق گردانتے ہیں لیکن یہ اشتقاق درست نہیں ہے کیوں کہ صوتی تبادل کا ایسا کوئی اصول نہیں ہے اور نہ ایسی کوئی مثال ہی ملتی ہے جس میں عربی کا جیم اردو کے چ سے بدل جاتا ہو یا بدل گیا ہو۔یہ لفظ خالص اردو کا ہے جس کی اصل ''کھرچ'' ہے۔اس کے بہروپ کھانچ ، کاٹ، گھاٹ وغیرہ ہیں جن کے معنی ''کمی'' کے ہیں۔نکاس کے نہیں ہیں۔غرض لفظ عربی کے لفظ سے مشتق نہیں ہے بلکہ اصلاً اردو کا ہے۔

خرچہ ۔یہ لفظ خرچ پر الف نسبتی یا تکبیری لگا کر خرچا بنایا گیا ہے جسے ہائے مختفی سے لکھتے ہیں۔ اس کی اردو اصل کھرچا ہے جس کے بہروپ کھانچا، کھاجا، کاٹا اور گھاٹا ہیں۔اس کا مطلب ہے وہ جو کاٹی گھٹائی یا کم کی جائے یا کھانے پر صرف کی جائے۔

خرچی ۔ یہ لفظ بھی خرچ پر یائے نسبتی یا تصغیری لگا کر بنایا گیا ہے ۔اس سے مراد وہ رقم ہے جو ڈیرے دار طوائفوں کو ماہ بماہ رئیسوں سے ملتی رہتی ہے ۔اس کی اردو اصل ''کھرچی'' ہے جس کے بہروپ کھانچی، کھاجی، کاٹی اور گھاٹی ہیں ۔

خس ۔فارسی میں اس کے عام معنی تنکے اور کوڑے کے ہیں جو خس وخاشاک کے مرکب میں بولا جاتا ہے اور کوڑا کرکٹ کے معنی دیتا ہے یا خس کم جہاں پاک، کے مقولے میں سنائی دیتا ہے لیکن اردو میں یہ لفظ ایک خوشبودار گھاس کا نام ہے جس کی شاخیں بہت پتلی پتلی ہوتی ہیں ۔ان سے گھروں کے دروازوں اور کھڑکیوں پر لگانے اور لٹکانے کے لیے ٹٹیاں بناتے ہیں اور جب گرمیوں میں ان پر پانی چھڑکتے ہیں تو گھروں میں خوشبو اور ٹھنڈک پھیل جاتی ہے ۔اس کے علاوہ اس گھاس سے عطر بھی بنایا جاتا ہے جو بہت ٹھنڈک پہنچاتا ہے ۔اس کا اصل اردو روپ ''کھس'' ہے جس کے بہروپ کانس، کات اور کاٹ ہیں اور تار اور ریشے کے معنی دیتے ہیں ۔

خستہ ۔ فارسی زبان میں تھکے ہارے کو خستہ کہتے ہیں ۔ہم اردو میں بھی خستہ کے یہی معنی مراد لیتے ہیں لیکن ہماری بول چال میں اس کے ایک اور معنی ''کرارا'' کے بھی ہیں چناں چہ اردو میں یہ لفظ ''کرارا'' کے ساتھ مل کر ''خستہ کرارا'' کے مرکب میں بھی بولا جاتا ہے جہاں اس کے معنی بھی ''کرارا'' ہی ہوتے ہیں ۔چناں چہ ان معنوں میں یہ خالص اردو زبان کا لفظ ہے جس کا اصل روپ ''کھستا'' ہے ۔اس کے بہروپ ''کھرا'' اور ''کرارا'' ہیں اور اس کے معنی بھر بھرے کے ہیں ۔اس لفظ میں کھ کی جگہ خ اور آخری الف کی جگہ ہائے مختفی داخل کر دی گئی ہے ۔

خسرہ ۔ اردو میں اس کے دو معنی ہیں [ا] پٹواری کا رجسٹر جس میں ہر کھیت کی پیداوار الگ الگ درج کی جاتی ہے ۔اس کا اردو روپ ''کھسرا'' ہے جس کے بہروپ کھجرا، کھاجرا ۔کھدرا اور کھادرا ہیں ۔''کھاج'' کے معنی کھانا ہیں چناں چہ اردو میں اس سے ایک

لفظ ''کھاجا'' [بہ معنی غذا] بنا ہے اور ہندی میں بھی غلے اور کھانے کی اشیا کو''کھا جیہ پدارتھ'' بولتے ہیں ۔''کھاد'' کے معنی بھی کھانے کے ہیں چناں چہ پنجابی زبان میں اردو کے حالیہ تمام ''کھایا'' کا متبادل فعل ''کھادا'' بولا جاتا ہے ۔ [۲] اس لفظ کے دوسرے معنی ایک بیماری کے ہیں جو بالعموم چھوٹے بچوں کو لاحق ہو جاتی ہے ۔اس بیماری میں ان کے تمام جسم پر چھوٹے چھوٹے سرخ دانے ابھر آتے ہیں جن میں کھجلی مچتی ہے، کھانسی اٹھتی ہے اور بخار ہو جاتا ہے ۔''کھاج'' کے معنی کھجلی کے بھی ہیں ۔ ان معنوں میں ''خسرا'' کے بہروپ ''کھاجرا'' اور ''کھات'' ہیں ۔

خصم ۔عربی زبان میں دشمن بیری کو کہتے ہیں اور اس لفظ کو صاد ساکن سے بولتے ہیں لیکن اردو میں اسے صاد مفتوح سے بولتے ہیں اور اس سے شوہر اور مالک مراد لیتے ہیں ۔اس معنوی اور ملفوظی اختلاف کے پیش نظر اردو کا یہ لفظ عربی کے لفظ سے الگ ہے ۔اس کا اردو روپ ''کھسم'' ہے جس کا بہروپ ''کھسم'' [قبیلہ] ہے ۔ضنا قصائی [بھگت] کہتا ہے:

جننی کیرے اوراد ک مہ پنڈ کیا دس دوارا
دیے ء اہارا اگن مہ راکھے ایسا کھسم ہمارا

[گروگرنتھ صاحب، ص ۲۸۸، مطبوعہ خالصہ گرومت پریس امرتسر، اکتوبر، ۱۹۳۹ء]

مطلب: ماں کے پیٹ میں پانی کے اندر ہمارے جسم میں دس دروازے یعنی سوراخ بنا کر ہمیں غذا پہنچاتا ہے اور گرمی میں رکھتا ہے وہ ہمارا ایسا مالک ہے ۔

خصی ۔ اردو میں اس نر جانور کو کہتے ہیں جس کے خصیے نکال دیے جاتے ہیں ۔اس کا اردو روپ ''کھسی'' ہے جس کے بہروپ ''کسری'' [کسر یا کمی والا]، کھوٹی [کھوٹ یعنی کمی یا عیب والا]، کھالی [خالی] اور کھوکی [کھوک یعنی خلا والا] ہیں ۔

خلاص ۔ یہ بھی اردو زبان میں خالی اور فارغ کے معنوں میں بولا جاتا ہے ۔اس کی اردو

اصل ''کھلاس'' ہے جو کھل یا کھال [خال] اور لاحقہ نسبتی ''آس'' سے مل کر بنا ہے۔اس کے دو اور روپ کھلا اور کال بھی ہیں۔

خلاصہ ۔ یہ لفظ عربی الاصل ہے جس کے معنی اختصار، لب لباب اور نچوڑ کے ہیں۔ نصابی کتابوں کے خلاصے طالب علموں میں بہت مقبول ہیں کیوں کہ وہ انھیں پڑھ کر کم وقت میں پورے نصاب پر حاوی ہو جاتے ہیں اور امتحان میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں لیکن اردو میں یہ لفظ ''صاف'' اور ''واضح'' کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے ''مبہم میں بات مت کرو۔ خلاصہ کہو کہ تم کیا چاہتے ہو''۔ اور یہ استعمال صرف اردو ہی سے مخصوص ہے جس سے ثابت ہے کہ اردو کا یہ لفظ عربی کے لفظ سے بالکل الگ ہے اور اس کی اردو اصل ''کھلاسا'' ہے جس کے معنی ہیں کھلا ہوا، بالکل واضح، صاف صاف۔ اس لفظ میں کھ کو خ سے س کو ص سے اور الف کو ہائے مختفی سے بدل کر عربی الاصل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

خور ۔ فارسی زبان میں یہ لفظ مصدر خوردن [کھانا] کا امر ہے جس سے کتنے ہی اسم فاعل ترکیبی بنتے ہیں جیسے آدم خور [آدمیوں کو کھا جانے والا شیر]، گوشت خور [گوشت کھانے والا]، پرخور [بہت زیادہ کھانے والا]۔ اردو میں بھی ایسے بہت سے مرکبات بولے جاتے ہیں جو اس لفظ سے بنتے ہیں جیسے غم خور، چغل خور، حرام خور، شیخی خورا میل خورا لیکن ان الفاظ میں کھانے کا کوئی مفہوم نہیں ملتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خور یا خورا فارسی کے نہیں ٹھیٹھ اردو کے الفاظ کھور، کھورا ہیں جن میں کھ کی جگہ خ کا حرف داخل کر دیا گیا ہے۔ نیچے ان الفاظ کی تشریح کی جاتی ہے۔

غم خور ۔ غم [اصل روپ گم، بہروپ گھم بہ معنی برداشت سہار، ضبط] + خور [اصل روپ کھور، بہروپ کھن، کر بہ معنی عادت، شیوہ، دستور]۔اس کے معنی ہیں بردبار، ضبط کرنے والا۔ اس کا اصل اردو روپ ہے گم کھور۔ اسے ہندی میں سہن شیل کہتے ہیں۔

چغل خور= چغل [بہ معنی چغلی، اصل روپ چگلی، بہ معنی غیبت] + خور [اصل روپ کھور]۔

اس کے معنی ہیں پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کرنے والا، غیبت کرنے والا۔ اس کا اصل روپ چگل کھور ہے جس کا بہروپ چنگلی کار ہے۔ لفظ چغلی کی اصل باب نہم میں ملاحظہ فرمائیے۔

حرام خور= بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرام مال کھانے والے کو حرام خور کہتے ہوں گے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ہیں کام چور، جو کام نہ کرنا چاہے اور آرام سے وقت گزارنا چاہے۔ اس کی تشریح یوں ہے: حرام [اصل اردو روپ آرام، بہ معنی عیش] + خور [اصل روپ کھور بہ معنی عادت]۔ اس کے معنی ہیں آرام طلب، عیش پسند، کاہل۔ اس کا اصل روپ آرام کھور ہے جس کا بہروپ ہے آرام کر یا آرام کار۔ اس کا بیان آپ باب دوم میں بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

شیخی خورا= شیخی [اصل روپ سیکھی، بہروپ سوکھی، سیٹی بہ معنی ڈینگ، دون، بڑک] + خور [اصل روپ کھورا بہ معنی عادی۔ بہروپ کورا]۔ اس کے معنی ہیں ڈینگیں مارنے والا، دون کی لینے والا۔ اس کی اردو اصل ہے سیکھی کھورا جس کے بہروپ میں سوکھی کھورا، سیٹی کھورا، سونٹی کھورا، سیکھی کرا۔

میل خورا= میل + خورا [اصل روپ کھورا بہ معنی عادی یا رجحان رکھنے والا، مائل]۔ اس کی اردو اصل میں خورا جس کا بہروپ ہے میل کرا اور معنی ہیں میلے پن کا رجحان یا انداز رکھنے والا، میلے پن کی طرف مائل، میلا سا۔

ریخ ۔ یہ خالص اردو کا لفظ ہے۔ فارسی میں مستعمل نہیں ہے۔ اردو میں اس کے معنی ہیں دو دانتوں یا دو اینٹوں کے درمیان کی لکیر، درز۔ اس کی اصل ریکھ ہے جسے ہندی میں ''ریکھا'' [بہ معنی لکیر] کہتے ہیں۔ اس کا بہروپ ''لیک'' [بہ معنی خلا] ہے۔

ریختہ ۔ یہ بھی اردو کا لفظ ہے جو کرنا کے ساتھ مستعمل ہے اور ریختہ کرنا کے معنی ہیں درزوں کو مسالے اور ریج وغیرہ سے بھرنا۔ ریختہ فارسی میں گری ہوئی بکھری ہوئی چیز کو کہتے ہیں لیکن یہ لفظ اردو ادب میں اصطلاح کے طور پر ایسی اردو نظم کے لیے بولا گیا تھا جو اردو بولی

میں کہی گئی ہو اور جس میں فارسی عربی کے کچھ بدیسی لفظ اسی طرح ملا دیے گئے ہوں جس طرح کنکر اور چونا ملا کر گچ بناتے ہیں ۔یوں ریختہ کے معنی ہوتے ہیں ملواں یا ملاوٹی نظم ۔

میر تقی میر نے نکات الشعرا میں ریختے کی چھ قسمیں بتائی ہیں:

۱۔ ایک مصرع فارسی کا ہو ایک ہندی [اردو] کا

۲۔ آدھا مصرع ہندی [اردو] کا ہو اور آدھا فارسی کا

۳۔ فارسی کے حروف اور فعل کام میں لائے جائیں

۴۔ فارسی کی ترکیبیں باندھی جائیں۔

۵۔ ایہام کی صنعت پائی جاتی ہو۔

۶۔ ہر طرح کی شعری صنعت، فصاحت بلاغت، ادابندی اور خیال موجود ہو۔

ان سب قسموں میں ایک صفت ضرور ملتی ہے اور وہ ہے دیسی اور بدیسی بولی کا میل ۔ریختہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ فارسی کی بحر میں ہی کہا جائے یا فارسی رسم الخط میں ہی لکھا جائے کیوں کہ کبیر داس، رے داس، دادو دیال اور غریب داس وغیرہ کچھ بھگتوں کے ریختوں کے جو نمونے میں نے دیکھے ہیں وہ پنگل کی بحروں میں بھی کہے گئے ہیں اور سب کے سب دیوناگری رسم الخط میں لکھے ہوئے ہیں۔

غرض ریختہ کے معنی ہیں گچ اور مسالا اور ریختہ کرنا کے معنی ہیں گچ مسالے سے اینٹوں وغیرہ کی درزیں بھرنا ۔اس کی اردو اصل ''ریکھتا'' ہے جس کا بہروپ ''لیکھا'' ہے۔

سلخا۔ اردو میں اس سے مراد وہ شخص ہے جو نہایت رسان اور دھیمے پن کے ساتھ لوگوں میں گھس گھس کر نئے نئے شگوفے چھوڑتا پھرتا ہے۔اس کی اردو اصل ''سلکھا'' ہے جس کا بہروپ ''سلگا'' ہے اور ''سلگا'' کے معنی چنگاری کے ہیں چناں چہ سلخا سے مراد ہے چنگاری ڈالنے والا۔خفیہ ریشہ دوانی کرنے والا۔

نخالص۔ یہ لفظ عربی میں نہیں بولا جاتا البتہ عربی میں لفظ ''خالص'' کے ساتھ رائج ہے

جس کے معنی ''پاک صاف'' کے ہیں۔نخالص کا لفظ صرف اردو زبان میں رائج ہے جس کا ابتدائی نون مکسورہ بولا جاتا ہے اس لیے اس پر نون نافیہ کا دھوکا ہوتا ہے جیسے اردو نڈر [جس کو ڈر نہ ہو]، نکما [جو کسی کام کا نہ ہو] اور یہ گمان ہوتا ہے کہ اس کے معنی ''غیر خالص'' یا ''ملاوٹی'' کے ہو سکتے ہیں لیکن اردو میں نخالص سے عربی کا خالص مراد ہوتا ہے۔اس کے علاوہ دونوں الفاظ میں ایک اور فرق یہ بھی ہے کہ ''خالص'' عربی میں لام مکسورہ سے اور ''نخالص''اردو میں لام مفتوح سے بولا جاتا ہے۔اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ اردو کا دخیل نما ہے جس کی آوازیں بدلی گئی ہیں چناں چہ اس کی اردو اصل ''نکھالس'' ہے جس کا بہروپ ''نکارس'' ہے اور نکارس کے معنی نکھار والا ،نکھرا ہوا ، صاف ستھرا، پاک، خالص اور کھرا ہیں۔اس لفظ میں کھ کی جگہ خ ،ر کی جگہ ل اور س کی جگہ ص کا حرف داخل کیا گیا ہے۔

نخرا۔یہ لفظ صرف اردو میں مستعمل ہے۔عربی فارسی سے اس کا کوئی تعلق نہیں بجز اس کے کہ ان کا صرف خ اس میں داخل کر لیا گیا ہے۔یہ لفظ ہمارے یہاں ناز کے ساتھ ''نازنخرا'' کے مرکب میں بھی بولا جاتا ہے اور غرور وتبختر کے معنی دیتا ہے۔اس کا اصل اردو روپ ''نکھرا'' ہے جس کا بہروپ ''ناکا'' ہے جو ناک بہ معنی شان، عزت اور الف نسبتی سے مرکب ہوا ہے۔

مندرجہ بالا الفاظ کے بعد جن میں کھ کی جگہ خ کا حرف داخل کیا گیا ہے اب کچھ ایسے الفاظ بھی پیش کیے جاتے ہیں جن میں ک کی جگہ خ کا حرف لکھا گیا ہے۔ان الفاظ کی اردو اصل قوسین میں درج کر دی گئی ہے:

پٹاخا۔ [اصل پٹاکا]۔ پٹ یا پڑ کی آواز۔

پڑاکا پٹخنا۔ [اصل پٹکنا]۔ [۱] دے مارنا، پڑکنا، پاڑنا [۲] دینا، نیچا ہونا، پچکنا

پٹخنی ۔ [اصل پٹکنی]۔ پچھاڑ، پڑکنی، پچکنی

تڑاخا۔ [اصل تڑاکا]۔ تڑ کی آواز، تڑکا

تڑخنا۔ [اصل تڑکنا]۔ [۱] تڑ کی آواز دینا [۲] چڑنا، شگافتہ ہونا، ترنا، چرنا، چڑکنا۔

تخ تخ۔ [اصل تک تک]۔ سواری کے جانور کو آہستہ آہستہ ہانکنے کی آواز، پنجابی مڑٹر

مخنہ۔ [اصل نکنا]۔ گنا، ڈھلنا

ٹرخانا۔ [اصل ٹرکانا]۔ ٹالنا، ٹلانا، ڈھلکانا

ٹرخنا۔ [اصل ٹرکنا]۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھنا، ٹلنا، ڈھلکنا

چٹاخ پٹاخ۔ [اصل چٹاک پٹاک]۔ شوخ، چڑاک، پراک

چٹخنا۔ [اصل چٹکنا]۔ [۱] چٹ کی آواز دینا، پھڑکنا، [۲] شگافتہ ہونا، ناخوش ہونا، چرکنا، چرنا [۳] نرم اور شیریں آواز میں بولنا، چڑکنا۔

چٹخنی۔ [اصل چٹکنی]۔ [۱] چٹ کی آواز دینے والی، چڑکنی [۲] روک یا بندش والی، پھڑکن، چڑھنی

چخ۔ [اصل چک]۔ لڑائی، چائیں

مزاخ۔ [اصل مجاک]۔ ہنسی، دل لگی، چھوڑ، بجاک

آخر میں تین لفظ ایسے بھی پیش کیے جاتے ہیں جن میں کھ کی جگہ خ بولا جاتا ہے لیکن بہر و پوں میں کھ کی آواز دو آوازوں میں تقسیم ہو جاتی ہے جن میں سے ایک کاف ہوتا ہے:

چرخ۔ فارسی زبان میں اس لفظ کے مندرجہ ذیل معنی ہیں۔

آسمان، پہیا، سائیکل، گاڑی، دور، قسمت اور چکر وغیرہ لیکن اردو میں اس کے صرف دو معنی ہیں: ایک جنگلی درندہ جو عوام کے خیال میں ڈائن کی سواری ہے۔ کہتے ہیں کہ چلتے میں اس کی ہڈیاں بولتی ہیں یعنی ان سے آوازیں نکلتی ہیں۔ دوسرا وہ پنڈولا جس پر بیٹھ کر بچے چکر کھاتے ہیں اور جب وہ چلتا ہے تو اس میں سے بھی چرچر اور چوں چوں کی آوازیں نکلتی ہیں۔ اردو کا یہ لفظ فارسی کے لفظ سے اس لیے مختلف اور الگ ہے کہ فارسی کے لفظ کے معنی ہیں گولائی اور دائرے کا تصور ملتا ہے جب کہ اردو کے لفظ میں چرچر کی آواز یا چلنے کا

تصور پایا جاتا ہے۔اردو کے اس لفظ کا اصل روپ ''چرکھ'' ہے جس کے بہروپ ''چرکہ'' [چرچر کرنے والا]اور''چلکو'' [مسلسل چلنے والا] ہیں۔

چرخہ۔ فارسی زبان میں اس کے مندرجہ ذیل معنی ہیں: قرقرہ، گھری،گراری، گٹی، دھاگے کی ریل،چکتی،بیلن، چکری، پھرکی وغیرہ۔

لیکن اردو میں یہ لکڑی کے بنے ہوئے ایک ایسے آلے کا نام ہے جس سے سوت کاتتے ہیں۔ اردو کا یہ لفظ بھی اگر چہ فارسی لفظ کا ہم صوت اور ہم صورت ہے لیکن اپنی اصل نسل کے لحاظ سے اس سے مختلف اور جدا ہے۔اس کا اصل روپ ''چرکھا'' ہے جس کا بہروپ ''چلکوا'' [مسلسل چلتے رہنے والا] ہے جو سندھی زبان میں بھی بولا جاتا ہے۔

چرخی۔فارسی زبان میں یہ اسم صفت ہے جس کے معنی مدور، دائرہ نما اور گول شے کے ہیں یا پھر اس سے مشینی [مشین سے تیار کی ہوئی] شے مراد ہوتی ہے جیسے گھی اور مکھن وغیرہ لیکن اردو میں چرخی روئی سے بنولے الگ کرنے والا لکڑی کا ایک آلہ ہوتا ہے جسے رہٹی اور اوٹنی بھی کہتے ہیں۔یہ معنی فارسی لفظ کے معنوں سے الگ ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اردو اور فارسی کے دو الگ الگ لفظ ہیں۔اردو کے اس لفظ کا اصلی روپ ''چرکھی'' ہے جس کا بہروپ چلکوی [یعنی مسلسل چلنے والی] ہے۔

باب نہم

غ: کے داخلے سے بننے والے الفاظ

غین کی آواز عربی اور فارسی دونوں زبانوں کی بنیادی آوازوں میں شامل ہے لیکن اردو میں اس کا وجود نہیں ہے پھر بھی یہ اردو کے بہت سے ملفوظی اور مکتوبی روپوں میں ملتی ہے۔ یہ کام بھی ہمارے پڑھے لکھے لوگوں کا ہے جنھوں نے پہلے اسے اردو کے لفظوں میں لکھا پھر انھیں پڑھ پڑھ کر دوسروں نے اسے بول چال میں بھی داخل کرلیا ورنہ عوام تو غین کو بھی اردو کے گاف سے بولتے تھے بلکہ یہ اب بھی بولتے ہیں جیسے گیر [غیر]، گریب [غریب]، گور [غور]، بگیر [بغیر]، چگتائی [چغتائی]۔ ایسے اردو الفاظ کی جن میں گ کی جگہ غ کا حرف داخل کیا گیا ہے چند مثالیں تشریح سمیت نیچے درج کی جاتی ہیں۔

باغ۔ عربی میں ایسے قطعہ آراضی کو کہتے ہیں جس میں پھل دار درخت لگائے جاتے ہیں لیکن اردو کے اس محاورے میں کہ تمھاری کامیابی کی خبر سن کر دل باغ باغ ہوگیا۔ باغ باغ کا مطلب ''خوش اور مسرور'' کا نکلتا ہے اس لیے اردو کا لفظ ''باغ'' عربی کے اس لفظ سے الگ ہے۔ اس کی اردو اصل ''باگ'' ہے جس کے بہروپ ''پھاگ'' اور ''پھول'' ہیں چناں چہ ''دل باغ باغ ہوگیا'' کا مطلب ''دل پھول پھول ہوگیا۔ پھول گیا'' نکلا۔

بغارا۔ کپڑے میں ہوجانے والے سوراخ کو بغارا کہتے ہیں۔ اس کی اردو اصل بگارا ہے جس کے بہروپ بکھارا اور مکھارا ہیں۔ بَک اور مکھ کے معنی سوراخ یا چھید کے ہیں۔ اس لیے بکھارا اور مکھارا کے معنی ہوئے منہ یا سوراخ والا۔

بغلی ۔ یہ لفظ عربی ''بغل'' پر یائے نسبتی بڑھا کر بنایا گیا ہے جس کا مطلب ہے ''بغل کا'' یا ''بغل سے منسوب'' اور بغل عربی میں کھوے کے نیچے بازو اور سینے کے درمیانی خلا کو کہتے ہیں لیکن اردو میں اس لفظ سے ''فریب'' مراد لیتے ہیں چناں چہ اردو کے دو مرکبات ''بغلی گھونسا'' اور ''بغلی قبر'' میں ''بغلی'' کے معنی ''پرفریب'' نکلتے ہیں ۔اس معنوی اختلاف کے پیش نظر ہم صورت ہونے کے باوجود اردو کا لفظ ''بغل'' عربی کے لفظ سے الگ ہے ۔اس کی اردو اصل ''بگل'' ہے اور ''بگل'' کا بہروپ ''ٹھگل'' اور ''بگلی'' [یعنی بغلی] کا بہروپ ''ٹھگلی'' ہے ۔اردو کے لفظ ''بگلا'' کا بہروپ بھی ''ٹھگلا'' [بہ معنی فریبی] ہے اس لیے ''بگلہ بھگت'' کا مرکب فریب کار کے معنوں میں بولا جاتا ہے ۔

بغیا ۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ لفظ باغ کی تصغیر ہے جس کے معنی چھوٹے سے باغ کے ہیں لیکن اردو میں ''بغیا'' اس قطعہ آراضی کو بھی کہتے ہیں جس میں پھلواری لگی ہو اور جس کے بیچ میں ایک چھوٹا سا مکان مسکونہ بھی تعمیر کیا گیا ہو چناں چہ ان دوسرے معنوں میں ''بغیا'' باغ کی تصغیر نہیں ہے بلکہ یہ خالص اردو کا لفظ ہے جس کی اصل ''بگیا'' ہے ۔اس کے بہروپ ''بکھیا'' اور ''بسیا'' ہیں جن کے معنی رہائش مکان کے ہیں ۔

بوغرا ۔ اس کی اردو اصل ''بوگرا'' ہے جس کا بہروپ ''بورا'' [بہ معنی شکر] ہے جو گڑ کو کوٹ کوٹ کر بنائی جاتی ہے اور دوسرا بہروپ ''بولا'' [باجرے کا پھول] ہے جو باجرے کی بالیں چھیڑ چھیڑ کر نکالا جاتا ہے اور دانوں سے الگ کیا جاتا ہے ۔

تغار ۔اس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں پانی سے مٹی گوندھ کر گارا تیار کیا جاتا ہے ۔اس کی اردو اصل ''تغارا'' ہے جو ''گارا'' [بہ معنی گڑھا] پر ابتدائی طوی **ت** کے اندراج سے بنایا گیا ہے ۔اس سے لوہے کی وہ پرات بھی مراد ہے جس میں مزدور گارا رکھ کر راج کو پہنچاتے رہتے ہیں ۔اس کا ایک بہروپ **تھال** ہے ۔

تغاری ۔ چھوٹے تغار کو کہتے ہیں ۔مزدوروں کے استعمال کی وہ آہنی پرات جس میں وہ

مٹی، گارا، اینٹ پتھر رکھ رکھ کر ڈھوتے ہیں۔اس کی اردو اصل ''تگاری'' ہے جس کے بہروپ ''تھالی'' اور ''تسلی'' ہیں۔

تیغا ۔ بہ ظاہر یہ لفظ ''تیغ'' پر الف کے اضافے سے بنا ہے اور تیغ فارسی زبان کا لفظ ہے جو تلوار کے معنی دیتا ہے۔اس لیے پہلی نظر میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لفظ فارسی کا ہوگا اور تلوار یا اس کے متعلقات کے لیے مستعمل ہوگا لیکن یہ لفظ فارسی میں رائج نہیں ہے اور اردو میں بھی تلوار سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس پر فعل ''کرنا'' بڑھا کر ایک فعل مرکب ''تیغا کرنا'' بنا لیا گیا ہے جس کے معنی پر کرنا اور بھرنا ہیں جیسے اس دیوار میں پہلے ایک دروازہ تھا جسے تیغا کر دیا گیا ہے۔مراد یہ ہے کہ دروازے میں اینٹیں یا پتھر وغیرہ چن کر اسے بند کر دیا گیا ہے۔اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ اردو کا دخیل نما لفظ ہے جس کی آوازیں بدل دی گئی ہیں چناں چہ اس کی اصل ''ٹھیگا'' ہے جس کے کتنے ہی بہروپ توپا، تالا، ٹانکا، دویں، ٹیپا [ٹیپ بہ معنی ریختہ سے]، تھیگلا [اسم مُصغر تھیگلی بہ معنی پیوند] وغیرہ بنتے ہیں جن کے معنی جوڑ اور پیوند کے ہیں۔

چغد ۔ بہ ظاہر یہ لفظ فارسی زبان کا ہے جس کی چ پر پیش ہے، غ ساکن ہے اور دال موقوف ہے۔اس کے معنی ''الو'' ہے لیکن اردو میں اسے چ پر پیش اور غ پر زبر سے [چُغَد] بولتے اور احمق مراد لیتے ہیں۔غالباً اس اشتراک لفظی ہی کے باوصف ہمارے یہاں الو کو احمق سمجھتے اور احمق کو الو کہتے ہیں ورنہ اردو کا یہ لفظ فارسی کے لفظ سے مکتوبی اور ملفوظی دونوں اعتبار سے مختلف ہے۔اردو کے لفظ کی اصل ''چکت'' ہے جسے عموماً چُغَد ہی بولتے ہیں اور اس کا بہروپ جگت [چونگٹ بہ معنی احمق] ہے۔

چغلی ۔ کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی بیان کرنے کا عمل ۔ عموماً فعل ''کھانا'' کے ساتھ بولا جاتا ہے۔اس کی اردو اصل ''چگلی'' [چوگلی، چونگلی] ہے اور بہروپ ''چوری'' [ملیدہ] ہے۔اسے عربی میں غیبت کہتے ہیں چغلی کھانا کا مطلب ہے چوری کھانا۔

غبارا ۔ لفظ ''غبار'' عربی میں دھول کے معنی دیتا ہے لیکن غبارا کا غبار سے کوئی تعلق نہیں ۔ اردو میں غبارا ربر کے پھکنے کو کہتے ہیں جسے عموماً بچے پھونک بھر کر پھلاتے ہیں اس لیے یہ لفظ ٹھیٹھ اردو کا ہے جس کی اصل ''گبارا'' ہے ۔ اس کا بہروپ ''کپھارا'' ہے اور ''کپ'' یا ''کپھ'' پھلاؤ کو کہتے ہیں ۔ چناں چہ ''گپھارا'' کا تجزیہ یوں ہے گپھ [گوپھ بہ معنی پھلاؤ] + لاحقہ فاعلی آرا بہ معنی والا ۔ اس طرح گپھارا کا مطلب ہوا پھلاؤ والا، پھولنے والا، پھولا ہوا، پھکنا وغیرہ ۔

غپ ۔ یہ اردو کا لفظ ہے لیکن میں نے تزک جہانگیری میں بھی استعمال ہوتے دیکھا ہے ۔ جہانگیر کے یہاں ایک مجلس ''غپ'' بھی لگا کرتی تھی ۔ اس لفظ کی اردو اصل ''گپ'' ہے جس کا بہروپ ''گلپ'' اور معنی جھوٹی بات یا ہوائی ہیں ۔

غپی ۔ غپ سے اسم نسبتی بنایا گیا ہے اور غپ اڑانے والے کو کہتے ہیں ۔ اس کی اردو اصل ''گپی'' ہے جس کا بہروپ ''گلپی'' ہے ۔

غٹا ۔ یہ لفظ صرف اردو میں بولا جاتا ہے ۔ عربی فارسی میں اس کا وجود نہیں ہے ۔ اس کی اصل ''گٹا'' ہے جس کے بہروپ ''گولٹا'' اور ''گولا'' ہیں ۔

غٹکنا ۔ یہ لفظ بھی خالص اردو کا ہے ۔ عربی فارسی اس سے خالی ہیں ۔ اس کے معنی غٹے نگلنا ۔ اس کی اردو اصل ''گٹکنا'' ہے جس کا بہروپ ''گلکنا'' [یعنی نگلنا] ہے ۔

غچا ۔ اس کی اردو اصل ''گچا'' اور بہروپ ''گونچا'' ہے ۔ اس کے معنی نقصان اور چوٹ کے ہیں ۔

غدار ۔ عربی میں غدر کرنے یا فرنٹ ہو جانے والے کو کہتے ہیں لیکن اردو میں غدار شہر سے گنجان آباد شہر مراد ہوتا ہے ۔ یہ معنی عربی کے مندرجہ بالا معنوں سے بالکل مختلف ہیں ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو کا یہ لفظ بھی عربی کے لفظ سے الگ ہے جسے غین داخل کر کے دخیل نما بنایا گیا ہے ۔ چناں چہ اس کی اردو اصل ''گدار'' ہے جس کے بہروپ

''گڈار'' اور ''گٹھار'' ہیں ۔ان کا مطلب ہے گڈیا گٹھاؤ والا ، گنجان آباد۔

غـرّا ۔ یہ لفظ عربی فارسی میں مستعمل نہیں ہے ۔یہ اردو کا لفظ ہے اور ناغے کے معنوں میں بولا جاتا ہے ۔جیسے اگر ہاضمہ ٹھیک نہیں ہے تو شام کے کھانے کا غرا کر دو یعنی شام کا کھانا نہ کھاؤ ۔اس کی اردو اصل ''گرا'' ہے جس کا بہروپ ''گولا'' ہے اور لفظ ''گول'' اردو میں ''غائب'' کے معنی بھی دیتا ہے جیسے شام کھانا گول کر دو ۔گولا کو غلہ بھی بولتے ہیں اور غائب غلہ کا مرکب استعمال کرتے ہیں جیسے آپ نے اپنا مطالبہ پیش کر دیا اور ہمارا مطالبہ غائب غلہ ہو گیا ۔

غـرارا ۔ یہ لفظ ''غر'' [اصل ''گر'' ۔ ایک قسم کی آواز] اور لاحقہ نسبتی ''آرا'' سے مرکب ہے ۔اردو میں اس کے دو معنی ہیں ۔ [۱] گلے میں پانی کا گھونٹ گھماتا پھراتا جس سے غرغر [اردو گرگر] کی آواز نکلتی ہے ۔اس کی اصل گرارا ہے جس کا تجزیہ یوں ہے:

گر + لاحقہ فاعلی اور معنی ہیں گرگر کا عمل [۲] ایک قسم کا ڈھیلا ڈھالا زنانہ پاجامہ ۔ اس کی اصل بھی ''گرارا'' ہے جس کے بہروپ ''گھیرا'' [گھیر والا] اور ''گولا'' [گولائی والا] ہیں ۔''گراری'' اس چھوٹے سے پہیے کو بھی کہتے ہیں جس میں دندانے بنے ہوتے ہیں اور جو گھومتی رہتی ہے ۔

غـلّـہ ۔عموماً اینٹ پتھر یا مٹی کی گولی کو کہتے ہیں ۔اس کی اردو اصل ''گلا'' [یعنی گولا] یا گولائی والا] ہے ۔

غـلیل ۔ لکڑی کے ایک چھوٹے سے دوشاخے پر ربر باندھ کر تیار کی ہوئی کل یا بانس کی کھپاچ کے دونوں سروں پر تانت باندھ کر تیار کی ہوئی ایک کمان کو کہتے ہیں جس میں غلّہ رکھ کر نشانے پر مارا جاتا ہے ۔اس کی اردو اصل 'گلیل'' ہے جو لفظ غلّہ [یعنی گولا] پر لاحقہ نسبتی ''ایل'' بڑھا کر بنایا گیا ہے اور جس کے معنی ہیں غلے والی یا غلے سے منسوب کل یا کمان ۔

غم۔ عربی میں دکھ اور رنج کو کہتے ہیں لیکن اردو میں ضبط اور برداشت کے معنوں میں بولا جاتا ہے جیسے اس فقرے سے کہ ''کم کھاؤ غم کھاؤ'' مراد یہ ہے کہ ''برداشت کرو''۔ اس میں لفظ ''غم'' ٹھیٹھ اردو کا ہے جس کی اصل ''کم'' ہے اور کم کا بہروپ ''کھم'' ہے جس کے معنی ٹھیراؤ اور برداشت کے ہیں۔

غم خور۔ فارسی میں ''غم خوار'' کسی کے غم میں شریک ہونے والے ہمدرد شخص کو کہتے ہیں لیکن اردو میں ''غم خور'' سے دکھ تکلیف سہنے یا برداشت کرنے والا شخص مراد ہوتا ہے۔ چناں چہ یہ غم خوار سے مختلف لفظ ہے اور خالص اردو کا ہے۔ اس کی اصل ''کم کھور'' ہے جس کے معنی ہیں برداشت کی عادت والا۔ ہندی میں اسے ''سہن شیل'' کہتے ہیں۔ ''کم'' کا بہروپ ''کھم'' [بہ معنی برداشت اور ضبط] ہے۔ اس لفظ کا بیان باب ہشتم میں بھی آچکا ہے۔

غین۔ عربی ابجد کے ایک حرف کا نام ہے لیکن اردو میں اس شخص کو کہتے ہیں جو زیادہ نشے یا خوشی میں بے قابو ہو کر لڑھک یا لوٹ گیا ہو اور غین کے عربی حرف کی طرح گول مول ہو گیا ہو۔ ان معنوں میں یہ لفظ خالص اردو کا ہے۔ اس کی اصل ''گین'' ہے جس کا بہروپ ''گینڈ'' ہے۔

مرغا۔ اردو میں اس عام پرندے کو کہتے ہیں جو گھروں میں پالا جاتا ہے۔ اس کی نسل جنگلی بھی ہوتی ہے جسے بن مرغی کہتے ہیں۔ عام طور پر لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ یہ لفظ فارسی کے ''مرغ'' پر الف کے اضافے سے مذکر بنایا گیا ہے اور اس پر یائے تانیث کے اضافے سے ''مرغی'' کا لفظ ڈھالا گیا ہے لیکن فارسی زبان میں مرغ کے معنی مطلق پرندے کے ہیں یعنی اس میں ہر پرندکو مرغ کہتے ہیں جیسے مرغان صبح، مرغان چمن وغیرہ جب کہ اردو میں یہ ایک مخصوص قسم کے پرندے کا نام ہے جو عموماً گوشت اور انڈوں کے لیے پالا جاتا ہے۔ اس طرح ملفوظی اور معنوی دونوں اعتبار سے اردو کا لفظ فارسی کے لفظ سے بالکل الگ ہے

چناں چہ اس کی اردو اصل ''مرگا'' ہے جس کی تانیث ''مرگی'' ہے۔اس کے بہروپ ''ماںگا'' اور''بانگا'' ہیں۔جن کے معنی ہیں بانگ والا ،بانگ دینے والا۔اس کے گ کو غ سے بدل کر فارسی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مغزی۔ بہ ظاہر عربی کا لفظ ہے جو لفظ ''مغز'' [بہ معنی بھیجا] پر یائے نسبتی لگا کر بنایا گیا ہے اور اس کے معنی ہیں مغز کی ، بھیجے کی ،لیکن اردو میں یہ لفظ ''گوٹ'' کے معنی میں بولا جاتا ہے جس سے ثابت ہے کہ اردو کا یہ لفظ عربی کے لفظ سے بالکل الگ ہے۔چناں چہ اس کی اردو اصل ''منگجی'' ہے جس کا بہروپ ''موندی'' ہے اور ''موندی'' کے معنی ہیں موندنے پابند کرنے والی۔چوں کہ یہ گوٹ لحاف کے ابرے اور استر کو ملا کر دونوں کے درمیان کی روئی کو موند دیتی ہے اس لیے اس کا یہ نام پڑا۔

باب دہم

ق: کے داخلے سے بننے والے الفاظ

ق کی آواز عربی زبان سے مخصوص ہے اور اردو کی بنیادی آوازوں میں شامل نہیں ہے لیکن ہمارے بہت سے لفظوں میں ق کا حرف داخل کر دیا گیا ہے جس سے وہ دخیل نما بن گئے ہیں اور عربی کے سے الفاظ معلوم ہوتے ہیں۔ان کی چند مثالیں مع تشریح نیچے درج کی جاتی ہیں:

بندوق۔ ایک آتشیں ہتھیار ہے جس سے گولی ماری جاتی ہے۔اسے لوگ عربی سمجھتے ہیں اس لیے انھوں نے اس کی عربی جمع ''بنادیق'' بنالی ہے لیکن یہ لفظ اردو ہی کا ہے جس کی اصل ''بندوک'' ہے اور ''بندوک'' کا بہروپ باڑک [یعنی باڑ مارنے والا ہتھیار۔ فیر کرنے والا ہتھیار] ہے۔اس لفظ میں اردو کے کاف کو ق سے بدل کر دخیل نما بنایا گیا ہے۔

چاقو۔ اردو میں اس چھوٹے سے دھاردار آلے کو کہتے ہیں جو بیشتر چھیلنے یا شگاف لگانے کے کام آتا ہے۔اس میں چ اور ق دونوں حروف کی موجودگی یہ شبہ پیدا کرتی ہے کہ یہ عربی نہیں ترکی زبان کا لفظ ہوگا کیوں کہ عربی میں ق تو ہوتا ہے لیکن چ نہیں ہوتا جب کہ حقیقت میں یہ اردو کا لفظ ہے جس کی اصل ''چاکو'' ہے۔اس کا بہروپ ''چیرؤ'' [بہ معنی چیرنے یا شگاف لگانے والا آلہ] ہے۔اسے پنجابی عوام ''کاچو'' بولتے ہیں۔

چپڑ قناتی۔ بہ ظاہر یہ لفظ مرکب ہے اردو لفظوں چپڑ اور قناتی پر مشتمل معلوم ہوتا ہے۔اس کا پہلا لفظ ''چپڑ'' نہ عربی کا ہے نہ فارسی کا بلکہ خالص اردو کا ہے کیوں کہ اس میں

ڑ کی آواز شامل ہے البتہ قناتی ہے کی حقیقت بحث طلب ہو سکتی ہے۔ پھر بھی قناتی کا لفظ نہ عربی میں بولا جاتا ہے نہ فارسی میں اس لیے اس کی اصل بھی اردو ہی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس کی آخری ی یائے نسبتی ہے۔ میرے نزدیک اس لفظ کی اصل چاپڑ [قسائی کا بگڈا] کا ناتی [رشتے دار، نواسا] ہے جس کے معنی ہوتے ہیں گوں کا یار، خوشامدی وغیرہ۔ اس لفظ میں بھی کاف کو ق سے بدل دیا ہے اور ''کا'' کے الف کو زیر میں تبدیل کر کے اور ''ناتی'' میں ملا کر قناتی کر لیا گیا ہے۔

صندوق ۔ اس ڈھکن دار ظرف کو کہتے ہیں جس میں کپڑے وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ یہ لفظ بھی اپنی اصل نسل میں بندوق سے ملتا جلتا ہے چناں چہ اسے بھی لوگ عربی سمجھ کر اس کی عربی جمع ''صنادیق'' استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اصلا اردو ہے جسے عربی کا روپ بخشنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کی اصل شکل ''سندوک'' ہے جس کے بہروپ ''ساوک'' اور ''سینک'' ہیں جن کے معنی ہیں سارنے یعنی اٹھانے والا ظرف یا پھر اس کا بہروپ ''سیندک'' ہو سکتا ہے جس میں آتشیں مادہ بھرا جاتا ہے اور جو لفظ ''سیند'' پر لاحقہ کاف کے اضافے سے بنا ہے۔

فق ۔ یہ لفظ بالعموم رنگ اور منہ کے ساتھ بولا جاتا ہے اور بے رونقی کے معنی دیتا ہے جیسے منہ فق ہو جانا یا رنگ فق ہو جانا۔ ان محاوروں کا مطلب ہے منہ اتر جانا یا رنگ اڑ جانا۔ چوں کہ اس لفظ کے دونوں حروف عربی زبان سے مخصوص ہیں اور اردو کے لیے بیگانہ ہیں اس لیے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ بھی عربی کا ہوگا لیکن یہ عربی میں مستعمل نہیں ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اردو ہی کا ہے جسے خود اردو والوں نے عربی کا روپ دینے کی کوشش کی ہے چناں چہ اس کی اردو اصل ''پھک'' ہے جس کے بہروپ ''پھانک''، ''پھٹ'' اور ''پھاڑ'' ہیں۔ منہ فق ہو جانا کا مطلب ہے منہ پھٹ جانا یا پھٹا کا پھٹا رہ جانا اور رنگ فق ہو جانا مطلب ہے رنگ پھٹ جانا، اڑ جانا یا اتر جانا۔

فقط۔عربی میں یہ لفظ ''صرف'' اور ''بس'' کے معنوں میں آتا ہے جیسے آپ کو فقط دل دکھانا ہی آتا ہے۔ مجھے فقط آپ کا انتظار تھا ورنہ میں کب کا چلا گیا ہوتا لیکن اردو میں جب ہم اسے یوں بولتے ہیں کہ مہنگائی سے عوام کا حال فقط ہو گیا ہے تو اس کے معنی از حد خراب وخستہ اور ناگفتہ بہ کے ہوتے ہیں اور یہ معنی عربی کے معنوں سے مختلف ہیں۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اردو کا یہ لفظ عربی کے لفظ سے الگ ہے جس کی اردو اصل ''پھکت'' ہے اور ''پھکت'' مندرجہ بالا اردو ''پھک'' کا مزید علیہ ہے جس کے آخری ''ت'' کا اندراج ہوا ہے۔فقط حال کا مطلب ہوتا ہے پھٹا حال۔

فقیر۔عربی قواعد کی رو سے ''فقر'' کا اسم فاعل ہے اور درویش کے معنوں میں بولا جاتا ہے لیکن اردو میں فقیر مفلس اور بے نوا کو کہتے ہیں۔اس معنوی اختلاف کے باعث اردو کا ''فقیر'' عربی کے فقیر سے مختلف لفظ قرار پاتا ہے جس کی اردو اصل ''پھکیر'' ہے جو لفظ ''پھک'' پر لاحقہ نسبتی ''ایر'' کے اضافے سے بنا ہے۔اس کا بہروپ ''پھیڑ'' اور مطلب ''غریب''، ''نادار''، ''پھٹے حالوں والا'' ہے اس کے مونث اسم ''فقیرنی'' اردو کی اصل ''پھکیرنی'' ہے جس کا بہروپ ''پھیرنی'' ہے اور فقیری[مفلسی] کی اصل ''پھکیری'' اور اس کا بہروپ ''پھیری'' ہے۔

قتلہ۔چوں کہ قتل کا لفظ عربی زبان کا ایک مادہ ہے اس لیے یہ گمان ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ لفظ عربی کے ''قتل'' سے مشتق ہے لیکن ہمارے ہاں کا لفظ ''قتلہ'' جو کٹے ہوئے ٹکڑے کے لیے بولا جاتا ہے عربی کے ''قتل'' سے کوئی تعلق نہیں رکھتا مثلاً آلو کا قتلہ، مولی کا قتلہ وغیرہ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ خالص اردو زبان کا ہے جس کی اصل ''کتلا'' ہے۔اس کے بہروپ ''کترا'' اور ''کھلا'' ہیں جو کترے یا کٹے ہوئے ٹکڑے کے معنی دیتے ہیں۔

قرنفل۔ یہ لفظ بھی اردو کا ہے جسے عربی بنایا گیا ہے۔اس کے معنی ''لونگ'' کے ہیں لیکن اس کی اردو ''کرن پھول'' ہے۔یہ ایک زیور ہے جسے عورتیں، کانوں میں پہنتی ہیں اور جو

کرن [بہ معنی کان] اور پھول کے دو لفظوں سے مرکب ہے۔ کرن پھول شکل میں لونگ سے ملتا ہے اور لونگ خود بھی ایک درخت کا پھول ہے۔ اس اردو لفظ میں ک کو قاف سے اور پھ کو ف سے بدل کر اس پر عربی الاصل ہونے کا گمان پیدا کر دیا گیا ہے۔

قصائی ۔لوگ اس لفظ کا سلسلہ عربی کے لفظ ''**قصاب**'' سے ملاتے اور اس سے مشتق بتاتے ہیں ۔اس بات کو ان دونوں الفاظ کے ہم معنی ہونے سے تقویت ملتی ہے اور ''**قساوت**'' بھی عربی میں سنگ دلی اور **شقاوت** کو کہتے ہیں اور ''قسی'' کے معنی بھی سنگ دلی کے ہیں جو جانوروں کے ذبح کرنے میں قصابوں اور گوشت فروشوں سے منسوب ہو سکتی ہے لیکن قصائی عربی میں گوشت فروش کے معنوں میں نہیں بولا جاتا ۔پھر اس لفظ کا لاحقہ ''آئی'' بھی اردو سے ہی تعلق رکھتا ہے اور عربی زبان کے لیے بیگانہ محض ہے اس لیے یہ پورے کا پورا لفظ اردو کا مال قرار پاتا ہے جس کی اصل ''کسائی'' ہے۔ اس میں اردو کے کاف اور سین کی جگہ دو حروف ق اور ص داخل کر دیے گئے ہیں جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ عربی الاصل ہے ۔اردو کا اصل لفظ ''کسائی'' مادہ ''کس'' اور لاحقہ نسبتی ''آئی'' سے مرکب ہے جس کے لفظی معنی ''کھال اتارنے والا'' نکلتے ہیں کیوں کہ ''کس'' کے معنی کھال اور چھال کے ہیں ۔رواجاً یہ لفظ گوشت فروش کے لیے بولا جاتا ہے ۔ہندوؤں میں بھی کھالوں کا کاروبار کرنے والے یا مردہ مویشیوں کی کھال اتارنے والے چمار ''کسیا چمار'' کہلاتے ہیں اور ہندوؤں ہی کی ایک گوشت فروش ذات ''کھٹیک'' کہلاتی ہے جس کا بہروپ ''کسیک'' ہے۔ اس لفظ کا مطلب بھی ''کھال اتارنے والا'' ہی ہوتا ہے ۔صوتی تبادل کی رو سے کسیا چمار کو کھٹیا چمار بھی کہہ سکتے ہیں۔

قطامہ ۔جس عورت نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو زہر دیا تھا اس کا عربی نام ''قطام'' تھا لیکن اردو میں ''قطامہ'' بہت بری اور فاحشہ عورت کو کہتے ہیں ۔ بہ ظاہر لفظ ''قطامہ'' ''قطام'' سے مشتق معلوم ہوتا ہے اس لیے اس پر بھی عربی الاصل ہونے کا گمان گزرتا ہے

لیکن حقیقت میں یہ لفظ اردو کا ہے جس کی اصل ''کتا ماں'' [کتے کی ماں، کتیا] ہے جس سے فاحشہ عورت مراد ہوتی ہے۔ اس لفظ میں ک کو ق سے، ت کو ط سے اور الف مع نون غنہ کو ہائے مختفی سے بدلا گیا ہے۔

قلا ۔ یہ لفظ بالعموم فعل ''کھانا'' کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور نٹوں کا ایک مخصوص کرتب ہے جس سے وہ تماشائیوں کو محظوظ کرتے ہیں۔ کھڑے جسم کو گولائی میں گھمانا قلا کھانا کہلاتا ہے۔ یہ لفظ بھی اردو کا ہے جس کی اصل ''کلا'' ہے جو لفظ کل [بہ معنی گول] سے بنا ہے۔ اس لیے غیر منقسم ہندوستان میں انگریزی راج کے گول روپے کو کلدار [یعنی گولائی والے، گول] کہتے تھے۔ ''کلا'' کا بہروپ ''گولا'' ہے۔

قلاش ۔ یہ لفظ عربی یا ترکی کا سا لگتا ہے جو عربی فارسی میں فریب کار اور دغل باز کے معنوں میں بولا جاتا ہے لیکن اردو میں ہم اس سے بالکل مفلس اور نادار شخص مراد لیتے ہیں۔ یہ معنوی اختلاف ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ دو الگ الگ الفاظ ہیں۔ چناں چہ اردو کے لفظ کی اصل ''کلاس'' ہے جو مادہ کل یا کال [قحط، نایابی] اور لاحقہ نسبتی ''آس'' [والا] سے مرکب ہے۔ اس کا دوسرا روپ ''کڑاک'' بھی ہوسکتا ہے جس کے معنی ہیں ''کڑ'' یعنی سختی سے منسوب۔

قلانچ ۔ یہ قلاش کا ہم معنی لفظ ہے۔ اس کی اردو اصل ''کلانچ'' ہے جو ''کل'' اور لاحقہ نسبتی ''آنچ'' سے مرکب ہے اور ''آنچ'' کا لاحقہ ''آس'' کا بہروپ ہے۔ غرض قلانچ بھی قلاش کا ہم معنی اور کسی کا بہروپ ہے چناں چہ دونوں کی اردو اصل کلاس اور کلانچ ہے اور دونوں کے معنی مفلس اور نادار کے ہیں۔

قلقاری ۔ ہنسی میں گلے سے نکلنے والی باریک اور اونچی آواز کو کہتے ہیں۔ یہ دخیل نما لفظ ہے جس کی اردو اصل ''کلکاری'' ہے اور لفظ ''کلکاری'' مادہ ''کلک'' پر لاحقہ نسبتی ''آری'' بڑھانے سے بنا ہے۔ اس کا بہروپ ''کینکاری'' ہے۔ ''کلک'' کا بہروپ ''کیغک'' ہے

اوراس کے معنی خوشی کی بلند باریک آواز کے ہیں اوراس سے بننے والے فعل ''کلکنا'' کا مطلب خوشی میں بلند وباریک آواز نکالنا ہےاوراس کا بہروپ ''کینکنا'' ہے۔''کینکوا'' نامی جان دار کا نام اس کلکنے کے باعث رکھا گیا ہے۔چناں چہ ''کینکوا'' کا بہروپ ''کلکڑا'' ہے۔اردو کے لفظ'' کلکاری'' کے دہرے کاف کو دہرے قاف سے بدل کر دخیل نما بنایا گیا ہے۔

قمچی ۔ یہ بھی قینچی کی طرح کا اردو لفظ ہے جس کے ق اور چ دونوں حرفوں کی بیک وقت موجودگی کے باعث لوگوں کواس پر ترکی الاصل ہونے کا دھوکہ ہوتا ہے۔قمچی درخت کی ایک چھوٹی سی پتلی ڈالی یا لکڑی کی لچکیلی سانٹ کو کہتے ہیں جس سے استاد بچوں کو سزا دیتے ہیں یا گھڑ سوار اپنے گھوڑوں کو سدھاتے اور ہانکتے ہیں اور پولیس اور فوج کے افسران اپنی شان اور رعب دبدبے میں اضافہ کرتے ہیں۔اس کی اردو اصل ''کونچی'' ہے جس کے معنی ہیں ''کونچنے والی''۔

قوال ۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ عربی زبان کا لفظ ہےاور''قول'' [بہ معنی **بات**] سے اسم فاعل بنایا گیا ہے جس کا مطلب ہے بولنے والا، کہنے والا لیکن بات کہنے والے کو عربی میں ''قائل'' کہتے ہیں یعنی قول کا اسم فاعل تو قائل ہے اور پھر قوال ہمارے یہاں سازوں کے ساتھ نغتیہ اشعار گانے والوں کو کہتے ہیں اور اشعار گانے اور کہنے بولنے میں بہت فرق ہے اور یہی فرق بتاتا ہے کہ یہ لفظ عربی کا نہیں اردو ہی کا ہے۔اس کی اردو اصل ''کبال'' ہے جو لفظ ''کب'' پر لاحقہ نسبتی ''آل'' کے اضافے سے بنا ہے۔اس کے معنی ہوئے ''کب والا'' اور ''کب'' یا ''کبت'' کے معنی نظم یا اشعار کے ہیں۔کب سے ہی لفظ کبی [ہندی کوی] بہ معنی شاعر اور کبتا [ہندی کوتا] بہ معنی شاعری بنا ہے چناں چہ قوال یعنی کبال کا مطلب ہوا شعر گانے والا۔

قوالی ۔ یہ لفظ ''قوال'' پر یائے نسبتی کے اضافے سے بنا ہے۔اس کا مطلب

ہے قوال کا فعل یعنی نعتیہ اشعار گانے کا عمل ۔اس کی اردو اصل ''کہالی'' ہے ۔

قیف ۔ عربی میں نلکی کو کہتے ہیں اور کیسپین [بحیرہ اخضر] کے ساحل پر واقع ایک روسی بندرگاہ کیوما می کو بھی عربی میں قیف کہتے ہیں جس سے تیل برآمد کیا جاتا ہے ۔اردو میں یہ پیالی سے ملتا جلتا ایک آلہ ہوتا ہے جس کے ایک جانب ایک چھوٹی سی نلکی لگی ہوتی ہے اور جو عموماً بوتل سے لالٹین میں تیل ڈالنے کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔یہ عربی کے لفظ سے الگ لفظ ہے اس کی اردو اصل ''کیپ'' ہے جس کا بہروپ ''کوپ'' [بہ معنی پیالی] ہے ۔اس لفظ میں بھی ک کو ق سے اور پ کو ف سے بدل کر عربی بنانے کی کوشش کی گئی ہے ۔

قینچی ۔یہ ہماری زندگی کا نہایت ہی کارآمد اوزار ہے اور بالعموم کپڑا کاٹنے کے کام آتا ہے ۔اس لفظ کی آواز ''ق'' پر ہمارا ذہن عربی کی طرف منتقل ہوتا ہے کیوں کہ ق عربی کی بنیادی آواز ہے لیکن پھر چ کو دیکھ کر فوراً ہی پلٹ آتا ہے کیوں کہ عربی میں چ کی آواز نہیں ہوتی ۔چ فارسی کی آواز ہے لیکن ق فارسی کی آواز نہیں ہے اس لیے ہم اس لفظ کو فارسی میں بھی شمار نہیں کر سکتے ۔جدید نسیم اللغات میں اس لفظ کے سامنے ''ت'' کا حرف لکھا ہوا ہے جس کا اشارہ یہ ہے کہ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے اور واقعی ترکی میں ق اور چ دونوں کا استعمال ملتا ہے لیکن یہ لفظ ترکی زبان میں نہیں بولا جاتا ۔

جب ہم اس لفظ کا تجزیہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آخری ی یائے تانیث ہے چناں چہ میں نے بعض مالیوں سے باڑ تراشنے والی بڑی قینچی کے لیے قینچا کا لفظ بھی سنا ہے جو مذکر ہے اور تذکیر و تانیث کا یہ معاملہ اپنے جنسی لاحقوں سمیت اردو زبان سے متعلق ہے ۔یائے تانیث دور کرنے پر اس کا مادہ ''قینچ'' رہ جاتا ہے ۔پرندوں کے پر قینچ کیے جاتے ہیں یعنی کاٹے جاتے ہیں ۔اس لحاظ سے قینچ ،قینچا اور قینچی تینوں الفاظ ''کاٹ'' [تراش] کا مفہوم رکھتے ہیں ۔قینچی کو مرہٹی میں کاتی [کاٹی] کہتے ہیں چناں چہ مرہٹواڑے کا درزی نام دیو [ولادت ۱۲۷۰ء] کہتا ہے ۔

من میرو گج جھبا کاتی۔

مپ مپ کاٹوں جسم کی پھانسی

ترجمہ: میرا دل گز ہے اور میری زبان قینچی ہے۔ میں ناپ ناپ کر موت کا پھندا کاٹتا ہوں۔

اور کاتی اردو کے صوتی تبادل کی رو سے قینچی ہی کا بہروپ ہے۔

اب قینچی کی شکل پر دھیان دیجیے تو یہ علم الحساب میں ضرب کے نشان سے مشابہ ہے [×] چناں چہ ایک پہلوان جب دوسرے پہلوان کی پشت پر سوار ہو کر اور اس کی بغلوں میں سے اپنے دونوں ہاتھ نکال کر اس کی گردن کی پشت پر باندھ لیتا ہے تو پہلوانوں کی اصطلاح میں اس داؤ کو قینچی لگانا کہتے ہیں۔اس داؤ کی شکل بھی ضرب کے نشان سے ملتی ہے۔اس کے علاوہ ٹٹی کی ایک قسم بھی قینچی کی ٹٹی کہلاتی ہے جس میں لکڑی کی پٹیاں ضرب کے نشان سے ملتی ہوئی شکل میں باہم جوڑی جاتی ہیں۔

ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ خالص اردو کا مال ہے اور اس کی اصلیت ''کینچی'' ہے جس کے کاف کی جگہ ق داخل کر کے اسے بدیسیایا گیا ہے۔

مندرجہ بالا الفاظ کے علاوہ اور بھی الفاظ ہیں جنھیں ق کی مدد سے عربی بنانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن جو عربی بن نہیں پائے ہیں مثلاً:۔تڑقنا [اصل تڑکنا، پھٹنا]، تڑاقا [اصل تڑاکا، پھٹنے کی آواز]، قیق [اصل کیک، چیخ]، تڑاق پڑاق [اصل تڑاک پڑاک، فوراً پھرتی سے] وغیرہ۔

باب یازدہم

متفرق حروف کے داخلے سے بننے والے الفاظ

ان اردو الفاظ کے علاوہ جن میں عربی فارسی کی مخصوص آوازیں [ث ح خ ذ ژ ش ص ض ط ظ ع غ ف ق] داخل کرلی گئی ہیں کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جن پر ترکی یا اور دوسری زبانوں کی ملکیت کا گمان گزرتا ہے۔ ان میں زیادہ تعداد ان الفاظ کی ہے جن میں ج کا استعمال ہوا ہے اور کچھ ایسے الفاظ ہیں جو بہ ظاہر تفنن کے لیے استعمال کیے گئے ہیں یا پھر ان کے رائج ہونے کا کوئی اور سبب ہے۔ نیچے ان سب کی مثالیں مع تشریح پیش کی جاتی ہیں:-

بارھہ۔ ہندوستان میں یہ لفظ سادات کے تعلق سے بہت مشہور ہے۔ یہیں کے سیّد برادران نے ماضی میں تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے۔ انھیں کی بدولت اس لفظ نے بہت شہرت پائی لیکن ابھی تک اس کی حقیقت محض اس وجہ سے نہیں کھل پائی ہے کہ اس کے مکتوبی روپ سے لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے چناں چہ بعض لوگ اس کی تشریح بارہ کے عدد سے کرتے ہیں کہ ان سادات کی بارہ بستیاں تھیں جن کی وجہ سے انھیں سادات بارہہ کہا گیا ہے لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ ان کی بستیاں بارہ سے کہیں زیادہ تھیں۔ دراصل یہ لفظ ہندوستان کے اس علاقے کا نام ہے جس میں اتر پردیش کا ضلع مظفر نگر واقع ہے۔ اس علاقے کو بانگڑ یا بانگڑا کہتے ہیں جس کے بہروپ بار، بارا یا باڑ، باڑا ہیں۔ اس علاقے کی زبان بانگڑو یا باڑو ہے چناں چہ بارہہ کی اصل بارا یا باڑا یعنی بانگڑا ہے اور سادات بارہہ کی اصل سادات بارا، سادات باڑا یا سادات بانگڑا ہے جو اس علاقے کے رہنے والے ہیں۔

اس سلسلے میں مجھے سالہا سال پیشتر کا ایک واقعہ یاد آتا ہے جو دل چسپی سے خالی نہیں

ہوگا۔ ان دنوں ڈاکٹر سید صفدر حسین زیدی مرحوم سرگودھا میں تعلیمی ثانوی بورڈ کے چیئرمین تھے اور میں پاکستان ایرفورس کالج میں پڑھاتا تھا۔ ایک بار میں ان کی ملاقات کو ان کے دولت کدے پر پہنچا تو مرحوم اپنے وطن مالوف یعنی بارہہ کے متعلق بعض لوگوں کے تحقیقی خیالات تحریر کر رہے تھے چناں چہ میں نے بھی اپنا گمان ظاہر کر دیا کہ لفظ بارہہ دراصل باڑا ہے اور آپ لوگ باڑے کے رہنے والے ہیں۔ چوں کہ مرحوم رشتے میں میرے برادر نسبتی بھی ہوتے تھے اور فی مابین رشتہ مذاق کا تھا لہٰذا میری بات ہنسی میں ٹل گئی۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ اس وقت تک میرا خیال اس حد تک ہی پہنچ پایا تھا اور مجھے اپنے خیال کی صحت کا پورا پورا یقین بھی حاصل نہیں ہو پایا تھا اس لیے میں نے بھی اپنی بات پر زیادہ اصرار نہیں کیا البتہ آگے چل کر جب صوتی تغیرت کے سلسلے میں مجھ پر اندراج وسقوط کا اصول منکشف ہوا تو مجھے اپنے اس خیال کی صحت کا بالکل یقین آ گیا۔

بارہ دری۔ اس چھوٹی سی عمارت کو کہتے ہیں جس میں کئی دروازے ہوتے ہیں جیسے لاہور میں دریائے راوی کے کنارے کامران کی بارہ دری مشہور ہے۔ عام طور پر لوگ اس لفظ کے مکتوبی روپ کو دیکھ کر اسے فارسی لفظ در [یعنی دروازے] سے متعلق سمجھتے اور بارہ دری کا مطلب بارہ دروازوں کی عمارت نکالتے ہیں حالاں کہ نہ لفظ بارہ کا تعلق بارہ کے عدد یعنی دس اور دو کے جوڑے سے ہے اور نہ دری کا تعلق دروازے سے ہے بلکہ اس لفظ دری [یا داری] کا مطلب صرف ''ڈیری'' یعنی چھوٹا مکان ہے اور ''بارہ'' کے معنی جس کی صحیح املا بارا ہے ہوا کے ہیں۔ بار کا بہروپ ''بیار'' ہے جو برج بھاشا میں آج ''ہوا'' کے معنوں میں بولا جاتا ہے چناں چہ بارہ دری کا مطلب ہوا ہوا دار مکان یعنی چھوٹا ہوا محل یا پھر ''بارا'' کے ایک اور معنی منقسم کے بھی ہو سکتے ہیں جس کے بہروپ ''بٹا'' [بانٹا] اور ''پھاڑا'' ہیں۔ بارہ کے اس معنی کے پیش نظر بارہ دری کے دوسرے معنی اس مکان کے ہو سکتے ہیں جو کتنے ہی حصوں میں منقسم ہو چناں چہ بارہ دری کا بہروپ ''بٹا ڈیری'' بنتا ہے۔ بارہ دری کے ان دوسرے معنوں کی تائید اگلے الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔

بارہ سنگھا۔ ہرن کی قسم کے ایک وحشی جانور کو کہتے ہیں جس کے لمبے لمبے سینگ ہوتے

ہیں ۔یہاں بھی لفظ بارہ سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ اس جانور کے بارہ [دس اور دو] سینگ ہوتے ہیں حالاں کہ یہ درست نہیں ہے ۔کسی بھی بارہ سنگھے کے سینگوں کی تعداد بارہ نہیں ہوتی البتہ اس کے سینگ منقسم اور شاخ در شاخ ضرور ہوتے ہیں چناں چہ بارہ سنگھا کا بہروپ بٹا سینگا [بٹے یا پھٹے ہوئے سینگوں والا جانور] بنتا ہے۔

بلوہ ۔لوگ اسے فارسی کا لفظ سمجھتے ہیں لیکن یہ ٹھیٹھ اردو کا لفظ ہے۔اس کا تجزیہ یوں ہے: بل [قوت طاقت] + لاحقہ فاعل اوا اور اس کے معنی ہیں قوت نمائی، طاقت کا مظاہرہ، زور آوری کا استعمال، ہنگامہ،شورش، مار پیٹ وغیرہ۔ اس لفظ میں صرف آخری الف کو یائے مختفی سے بدلا گیا ہے۔

بھروپ۔ بہروپ مختلف بھیس کو کہتے ہیں ۔کچھ لوگ اس لفظ کا نکاس سنسکرت سے بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کا تجزیہ یوں ہے: سنسکرت بہو [بہ معنی بہت] اور روپ بہ معنی شکل وصورت] یعنی بہت سی شکلیں یا بہت سے روپ لیکن یہ اشتقاق غلط ہے کیوں کہ یہ معنی غلط ہیں ۔اس لفظ کے صحیح اور اصلی معنی وہی ہیں جو پہلے میں نے تحریر کر دیے ہیں ۔دراصل یہ لفظ ٹھیٹھ اردو کا ہے اور اردو ہی کے مادے سے بنا ہے۔اس کا صحیح تجزیہ یہ ہے: بھِ [اصل بے، بہ معنی فرق، اختلاف، بل] اور روپ [بہ معنی بھیس، شکل، صورت] ۔یوں اس لفظ کا تبادل ''بل روپ'' ٹھیرتا ہے اور اس کے معنی ہیں مختلف بھیس، طرح طرح کے بھیس۔

بھروپیا ۔یہ لفظ ''بہروپ'' سے مشتق ہے۔جو شخص نت نئے بھیس بھرتا ہے بہروپیا [بہروپ والا] کہلاتا ہے ۔یہ لفظ بہروپ پر لاحقہ نسبتی ''ایا'' کے اضافے سے اسم فاعل بنایا گیا ہے ۔اس کا تبادل روپ ''بل روپیا'' ہے۔

پہلوان۔ اس لفظ پر بھی فارسی الاصل ہونے کا گمان ہوتا ہے حالاں کہ یہ بھی اردو کا لفظ ہے ۔دراصل اس گمان کو فردوسی کے شاہنامے میں بیان ہونے والے رستم وسہراب کے قصے اور اس کے ضمن میں پہلوانوں کی زور آزمائیوں کے تذکرے سے بہت تقویت ملی ہے اور سب

لوگ قریب قریب یہی سمجھنے لگے ہیں کہ یہ لفظ بھی اسی داستان کی بہ دولت فارسی سے اردو میں آیا ہوگا۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس کا اصل اردو روپ ''بَل وان'' ہے جس کا بہروپ ''بلوان'' ہے اور جس کے معنی طاقت ور، قوی اور تنومند کے ہیں۔

تپائی ۔ اردو میں ایک چھوٹی سی چوکی کو کہتے ہیں جس پر کوئی چھوٹی موٹی سی چیز رکھی جا سکتی ہے۔ بعض لوگ اسے انگریزی لفظ ٹی پوے (TEAPOY) سے مشتق بتاتے ہیں اور وہ بھی غالباً اس خیال کے تحت کہ یہ چائے کی پیالی وغیرہ رکھنے کے لیے ایجاد ہوئی ہوگی کیوں کہ انگریزی لفظ میں ٹی [بہ معنی چائے] کا جز و موجود ہے یعنی لوگوں کو اس کے انگریزی نام کے مکتوبی روپ سے دھوکہ ہوا ہے کیوں کہ خود اردو کے اس لفظ کا یہ رومن لپی میں اظہار ہے۔ اس پر نہ صرف چائے بلکہ ہر چیز رکھی جا سکتی ہے۔ غرض یہ اشتقاق بالکل غلط ہے پھر کچھ لوگ اسے اردو کا لفظ سمجھ کر اس کا تجزیہ یوں کرتے ہیں: تے [بہ معنی تین] اور پائی [بہ معنی پایوں والی] یعنی تین پایوں کی چوکی لیکن سب جانتے ہیں کہ اس میں پائے تین نہیں چار ہی ہوتے ہیں اس لیے یہ اشتقاق بھی غلط ہے۔ دراصل اس کا بہروپ ''ٹکائی'' ہے جس کا مطلب ہے ایک ایسی چھوٹی سی چوکی جس پر کوئی چیز ٹکائی یعنی رکھی جا سکے۔

تین تیرہ بارہ بانٹ ۔ یہ ایک مشہور مرکب ہے جو بہ طور مقولہ بولا جاتا ہے۔ اس کے معنی تتر بتر، منتشر، بکھرے ہوئے، الگ الگ کے ہیں۔ عام طور پر اس کے ابتدائی تین لفظوں سے تین عدد سمجھے جاتے ہیں یعنی تین، تیرہ اور بارہ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں ان سے اعداد مراد نہیں ہیں۔ لفظ تین، تیرہ اور بارہ اردو کے اعداد ضرور ہیں لیکن ان کے صحیح مکتوبی روپ تین تیرا بارا ہیں جن کے بہروپ بالترتیب تا ر، تارا اور بٹایا بٹا ہیں چناں چہ اس پورے مرکب کا بہروپ تا رتا را با بٹا بانٹ بنتا ہے جس کے معنی تار تار ، بٹے ہوئے، بالکل الگ الگ نکلتے ہیں اور یہی معنی اس مرکب سے مراد لیے گئے ہیں یعنی تین کا بہروپ تار ہے۔ تیرہ یا تیرا کا بہروپ تارا ہے اور بارہ یا بارا کا بہروپ بابٹا ہے یوں تین تیرہ بارہ بانٹ = تار تارا بابٹا بانٹ۔

پنجیری ۔ ایک قسم کی خشک غذا ہے جو زچہ کے لیے تیار کی جاتی ہے۔اس کا عوامی اشتقاق لفظ کے مکتوبی روپ سے دھوکا کھا جانے کی ایک اچھی مثال ہے۔ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم نے ایک مقام پر اس لفظ کو پان اور جیری سے مرکب لکھا ہے۔اس کی تردید میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس غذا میں پان اور زیرہ تو سرے سے پڑتا ہی نہیں۔دوسرے اس لفظ کے ملفوظی روپ میں پ کے بعد نون غنہ بولا جاتا ہے جب کہ پان میں نون بالاعلان بولا جاتا ہے۔یہ غذا خشک سفوف کی شکل میں ہوتی ہے۔چناں چہ اس لفظ کا بہروپ "پھنکیری" ہے جس کے معنی ہیں پھانکنے والی غذا۔

ٹکا۔ برصغیر پاک وہند میں سب سے اونچی قیمت کا سکہ روپیا ہے جو آج کل پاکستان میں بالکل نظر نہیں آتا۔اس کی جگہ کاغذ کا ایک پرزہ دیکھنے میں آتا ہے جو انگریزی میں نوٹ کہلاتا ہے۔بعض بعض اسے پرچی کہتے ہیں اور عام طور سے لوگ اسے بھی روپیا بولتے ہیں۔روپیا پہلے چاندی سے بنایا جاتا تھا اور چاندی کو اردو میں روپا کہتے ہیں جس کا یہ اسم نسبتی ہے۔روپیا کا مطلب ہے روپی یعنی چاندی کا۔

انگریزی عمل داری کے زمانے میں یہ سکہ [روپیا] چاندی میں کوئی اور دھات ملا کر بنایا جانے لگا لیکن نام اس کا روپیا ہی رہا البتہ اس میں کھنکھناہٹ پیدا ہو گئی جس کی مدد سے لوگ اسے انگوٹھے سے بجا بجا کر اس کا کھرا کھوٹا پن پرکھنے لگے۔انگریزی راج سے پہلے عہد شاہی میں یہ چوکور ہوتا تھا اور اس پر کلمہ لکھا ہوتا تھا۔انگریزی عہد میں اسے گول کر دیا گیا اس لیے دونوں روپیوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کے لیے شاہی روپے کو کلمے کا روپیا اور انگریزی روپے کو کلدار [کل بہ معنی گولائی + لاحقہ دار بہ معنی والا] یعنی گول روپیا کہنے لگے۔انگریزی راج میں راجپوتانے کی ریاست جے پور کا روپیا خالص چاندی کا ہوتا تھا جسے کلدار روپے میں تبدیل کراتے وقت کچھ زائد رقم بھی ملتی تھی۔اس زائد رقم کو بٹا کہتے تھے۔وجہ یہ تھی کہ خالص چاندی کا روپیا انگریزی حکومت کے کلدار روپے سے قیمت میں زیادہ ہوتا تھا۔

اس سکے کو روپے سے پہلے ''ٹکا'' بھی کہتے تھے۔ یہ لفظ عہد شاہی کی فارسی تاریخوں میں حشوی نون کا اندراج کر کے اور آخری الف کو ہائے مختفی سے بدل کر ''ٹنکہ'' بلکہ ''تنگہ'' بھی لکھا ہوا ملتا ہے جو ٹنکہ کی ہی فارسی شکل ہے اور جس میں فارسی زبان کے مزاج کے مطابق ٹے کو تے سے اور کاف کو گاف سے بدل دیا گیا ہے۔ روپے کے معنوں میں لفظ ''ٹکا'' بھارت اور پاکستان میں تو اب بولا نہیں جاتا لیکن بنگلہ دیش میں آج بھی مستعمل ہے البتہ ہمارے یہاں پہلے زمانے میں جب کہ ایک روپے کے چونسٹھ پیسے آتے تھے، دو پیسے کے سکے کو بھی ''ٹکا'' کہتے تھے جو قدیم کہاوتوں اور مقولوں وغیرہ میں اب بھی سنائی دے جاتا ہے جیسے اندھیر نگری چوپٹ راجا۔ ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا، ٹکے کے تین تین [مراد بہت سستے] اور نمازی کا ٹکا وغیرہ۔ لفظ ''روپیا'' کا اشتقاق میں بتا چکا ہوں کہ یہ روپا [چاندی] کا اسم نسبتی ہے۔ اب لفظ ''ٹکا'' کی حقیقت کا سراغ لگانا باقی ہے جس کی ابتدا، بہتر یہ ہے کہ ہمیں لفظ ''تک'' سے کرنا چاہیے۔

لفظ ''تک'' آج بھی اس بڑی ترازو کے لیے بولا جاتا ہے جس کے تین اونچے اونچے پائے ہوتے ہیں اور جس کے دو پلڑے بیچ کی ڈنڈی سمیت لٹکے ہوتے ہیں۔ اس پر بھاری بھاری بوریاں تلتی ہیں۔ ترازو کو اردو میں تکھڑی بھی بولتے ہیں جس کا بہروپ ''تکی'' بنتا ہے اور ''تکی'' ''تک'' کی تانیث یا تصغیر ہے۔

اردو میں یہ لفظ [تک] بہ طور عامل [قدیم حرف جار] بھی بولا جاتا ہے جیسے وہ بازار تک گیا ہے۔ اس کے بہروپ ''توڑ'' اور ''تائیں'' ہیں جن میں سے توڑ پنجابی میں اور تائیں راجستھانی میں انھیں معنوں میں بولا جاتا ہے۔

لفظ ''تک'' سے فعل ''تکنا'' یا ''تاکنا'' بھی بنتا ہے جس کے ایک معنی ''خواہش کرنا'' ہیں۔ ان معنوں میں اس کا بہروپ ''ترسنا'' یعنی للچانا ہے۔ اردو کی ایک پہیلی سے اس کے یہ معنی واضح ہو جاتے ہیں:

چار گھڑے بہشت بھرے۔ چور تکیں لے نہ سکیں

[گائے بھینس کے چارتھن]

اس کے ایک اور معنی اندازہ لگانا اور جانچنا بھی ہیں جیسے اس نے تاک کر ایسا فائر کیا کہ گولی ہرن کی گردن پر پڑی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا ۔یہاں تک یا تاک کا بہروپ "تول" ہے اور تکنا یا تاکنا کا بہروپ "تولنا" ہے۔

لفظ "ٹک" اسی "تک" کا بہروپ ہے جس میں ت کوٹ سے بدل دیا گیا ہے اور ت ٹ کا تبادل اردو میں عام ہے چناں چہ جس طرح "تک" کا بہروپ "تول" ہے اسی طرح "ٹک" کا بہروپ بھی "تول" ہے ۔اس پر الف نسبتی لگا کر لفظ "ٹکا" بنا ہے جس کی بہروپ "تولا" ہوتا ہے ۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "ٹکا" وزن میں ایک تولے کے برابر ہوتا تھا یعنی یہ سکہ بھی تھا اور وزن [باٹ] بھی تھا ۔اس کی قیمت اور مقدار دونوں معین تھیں ۔ان حقائق کے پیش نظر یہ قدر و قیمت والا لفظ ہے ۔آگے چل کر جب "ٹکا" روپے سے بدلا تب بھی اس کا وزن وہی رہا چناں چہ جس زمانے میں روپے کے سکے کا بازار میں چلن عام تھا میں نے دیکھا ہے کہ سنار روپے ترازو کے ایک پلڑے میں جسے کانٹا کہتے تھے ایک تولے کے باٹ کی جگہ رکھ کر سونے چاندی کا وزن کیا کرتے تھے ۔

ماضی میں ہمارے یہاں جو دو پیسے کے سکے کو "ٹکا" کہتے تھے اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ وزن میں ایک تولے کے برابر ہوتا تھا ۔عوام اسے ڈبل پیسا یا ڈبل بھی بولتے تھے کیوں کہ ڈبل انگریزی میں دگنے کو کہتے ہیں اور یہ قیمت میں ایک پیسے سے دگنا یعنی دو پیسوں کے برابر ہوتا تھا ۔

جلال ۔ عربی میں یہ لفظ بزرگی اور عظمت کے معنی دیتا ہے لیکن اردو میں غصے کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے جیسے یہ بات سنتے ہی بڑے میاں کو جلال آ گیا اور وہ ایک دم چیخ پڑے ۔ان معنوں میں یہ عربی کے لفظ سے الگ ٹھیٹھ اردو زبان کا لفظ ہے جس کا بہروپ "جھل" یا "جھال" ہے اور لفظ "جال" [بہ معنی آگ، گرمی] اور لاحقہ نسبتی "آل" سے مرکب ہے جس کے معنی ہیں گرمی یا حرارت والا، غصہ ۔

جیل ۔لوگوں کو عام طور پر غلط فہمی ہے کہ یہ انگریزی زبان کا لفظ ہے لیکن حقیقت میں یہ اردو ہی کی ملکیت ہے جو انگریزی زبان میں مستعار گیا ہے ۔جیل اس عمارت کو کہتے ہیں جس کے گرداگرد اونچی اونچی فصیلیں کھنچی ہوتی ہیں اور جس میں سزا یافتہ مجرم ایک مقررہ میعاد تک اپنی اپنی سزائیں کاٹنے کے لیے قید رکھے جاتے ہیں ۔اس لفظ کا اردو بہروپ ''جال'' ہے اور جال میں بھی پرندے، مچھلیاں اور جانور پکڑے اور قید رکھے جاتے ہیں یعنی جیل بھی قید و گرفتاری کا مقام ہے اور جال بھی۔

جیلی ۔ اس جھلی کو کہتے ہیں جس میں بچہ ولادت سے پہلے رہتا ہے یعنی جیلی چھوٹی جیل ہوتی ہے اور جالی چھوٹے جال کو کہتے ہیں چناں چہ جیلی اور جالی بھی ایک دوسرے کے بہروپ اور ہم معنی الفاظ ہیں ۔وہ بچے جو ولادت قبل ایک ہی جیلی میں رہتے ہیں جلے [یعنی جڑواں] بچے کہلاتے ہیں ۔جلا [=جیل+ الف نسبتی] دوسرے بچے کے ساتھ ایک ہی جیلی میں رہنے والے بچے کو کہتے ہیں۔

چالاک ۔ فارسی زبان میں یہ لفظ چست اور مستعد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اردو کا لفظ فریبی اور فریب کار کے معنی دیتا ہے ۔اس سلسلے میں محض لوگوں کا جو غیر زبانوں سے مرعوب ہیں اور اپنے اس مرعوبیت کے رجحان کے باعث اردو کے الفاظ کو دوسری زبانوں کے الفاظ سے مشتق گردانتے ہیں ۔یہ خیال غلط اور بے بنیاد ہے کہ اردو والوں نے یہ لفظ بھی فارسی زبان سے مستعار لے کر اچھے معنوں کی جگہ برے معنوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا جیسے ان کے نزدیک اردو والوں کو اس بات کا شوق فضول ہے کہ وہ دوسری زبانوں کے الفاظ مستعار لے لے کر انھیں اچھے معنوں کی جگہ برے معنی عطا کرتے رہیں اور یوں ان کی مٹی پلید کرتے رہیں ۔یہ لوگ زبان کے بنیادی مقصد اور اس کے استعمال کے فطری طریقوں سے نابلد ہیں ۔ان کا یہ ادبیانہ اور غیر سائنسی سوچ لفظ کو معنی پر ترجیح دیتا ہے جب کہ علم زبان لفظ کے مقابلے میں معنی کو اہم سمجھتا ہے یعنی اس کی رو سے معنی کے لیے لفظ گھڑا جاتا ہے لفظ کے لیے معنی پیدا نہیں کیے جاتے اور لفظ کو جو معنی پہنائے

جاتے ہیں وہ فطری اور لغوی نہیں مجازی معنی ہوتے ہیں اور مجازی معنی ادیب پہناتے ہیں ماہرین زبان نہیں پہناتے چناں چہ اردو کا لفظ "چالاکی" مادہ "چال" [بہ معنی فریب] پر لاحقہ فاعلی "آک" بڑھا کر بنایا گیا ہے جس کے معنی فریبی اور فریب کار کے ہوتے ہیں۔ یوں اس لفظ کا فارسی زبان کے ہم صوت لفظ "چالاک" سے کوئی تعلق یا نسبت نہیں ہے۔

چپڑا ۔ لاکھ کی طرح کا ایک مادہ ہوتا ہے جو پگھلانے سے چپچپا ہو جاتا ہے اور مہر لگانے کے کام آتا ہے۔ اس کا بہروپ "چاڑا" ہے جو پگھلے ہوئے گڑ کو ٹھنڈا کرنے سے بنتا ہے اور جسے بچے نافی کی طرح شوق سے کھاتے ہیں۔

چپڑاس ۔ اس چوڑی پٹی کو کہتے ہیں جو ہرکارے اور چپراسی وغیرہ اپنی کمر کے گرد باندھتے ہیں اور اس چوڑی پٹی کو بھی کہتے ہیں جو کرتے کے گریبان میں بٹن ٹیک کے اوپر لگائی جاتی ہے اور جس میں بٹنوں کے لیے کاج بنائے جاتے ہیں۔ اس کی اردو اصل "چوڑاس" ہے جس کے معنی چوڑی پٹی کے ہیں اور جو لفظ "چوڑا" [چوڑائی] پر لاحقہ نسبتی "آس" کے اضافے سے بنا ہے۔ اس کا بہروپ "چڑھاس" [بہ معنی چڑھانے کی] ہے۔

چپڑاسی ۔ چپڑاس لگانے والے دفتر کے ادنیٰ ملازم اور ہرکارے وغیرہ کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ "چپڑاس" سے اسم نسبتی بنایا گیا ہے۔ جو لوگ اسے فارسی کے چپ وراس [قواعد پر پیڈ کے الفاظ] سے مشتق بتاتے ہیں وہ شاعری کرتے ہیں۔

چلم۔ مٹی کے اس ظرف کو کہتے ہیں جس میں تمباکو رکھ کر پی جاتی ہے۔ یہ خالص اردو زبان کا لفظ ہے۔ اس ظرف میں چاروں طرف درزیں یا جھریاں ہوتی ہیں جن سے تازہ ہوا اندر آتی رہتی ہے اور آگ بجھنے نہیں پاتی۔ یہ لفظ مادہ چل یا چیل اور لاحقہ "م" سے مرکب ہے۔ چیل کا بہروپ جھیل یا جھیر [یعنی جھری بہ معنی درز] ہے اس لیے چلم کا مطلب ہوا چیلوں یعنی جھریوں والی اور چلم کا بہروپ ہوا جھلم یا جھیلم۔ جھلم سپاہیوں کے اس آہنی ٹوپ کو بھی کہتے ہیں جس کے چاروں طرف زنجیریں لٹکتی رہتی ہیں اور جس میں ہوا کے لیے جھریاں بنی ہوتی ہیں

تا کہ سر پر زیادہ پسینہ نہ آنے پائے۔چلم کے الٹنے سے جھلم کی شکل بن جاتی ہے۔پنجاب کے شہر جہلم کا نام انھیں جھریوں کی وجہ سے رکھا گیا ہے جو اس کی پہاڑیوں میں ملتی ہیں۔چلم کے بہروپ جھلم کے علاوہ چلورا اور جھرور بھی ہیں۔

چلمچی ۔ اس طشت کو کہتے ہیں جس میں بالعموم کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھوتے ہیں اور جس پر ایک جھری وار ڈھکن رکھا ہوتا ہے یہ لفظ ''چلم'' پر لاحقہ اضافی ''چی'' بڑھانے سے بنا ہے۔اس کے معنی ہیں ''چلم کی'' یعنی جھریوں والی جس کا بہروپ ہے چلونچی یا جھلمچی۔مرہٹی زبان میں ''چی'' کا عامل ''کی'' کے معنوں میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے اور اردو میں کم تر استعمال ہوتا ہے۔

چلمن ۔ بانس کی تیلیوں کے اس پردے کو کہتے ہیں جس میں روشنی اور ہوا کے لیے جھریاں ہوتی ہیں۔یہ لفظ ''چلم'' اور لاحقہ نسبتی ''ان'' سے مرکب ہے۔اس کے بہروپ جھلمن، چلون، چلمانس اور جھلمانس ہیں۔

چمچا ۔ ہمارے روزانہ کے استعمال کا آلہ ہے جس کی مدد سے مختلف چیزیں کھائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اردو میں ایک پرند کا نام بھی ہے۔پھر چمچا گفتگو میں خوشامدی شخص کو بھی کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص کا چمچا ہے۔اس لفظ کا مادہ ''چنچ'' ہے جس کا بہروپ ''چونچ'' ہے اور چمچا کا بہروپ ''چونچا'' [یعنی چونچ والا] ہے۔چوں کہ چمچا پرندوں کی چونچ سے مشابہ ہوتا ہے اس لیے اسے یہ نام دیا گیا۔چمچے نامی پرندے کی چونچ بھی لمبی، نمایاں اور چمچے سے ملتی ہوئی ہوتی ہے اور خوشامدی شخص بھی چمچے کی طرح اپنی خوشامدی باتوں کی خوراک سے دوسرے کو خوش کرتا رہتا ہے اس لیے ان دونوں کا نام بھی چمچا پڑ گیا۔چھوٹے چمچے کو چمچی کہتے ہیں جس کا بہروپ ''چونچی'' ہے۔

چمگادڑ۔ ایک پرند کا نام ہے جو دن بھر تاریکی میں رہتا ہے اور رات کو باہر نکلتا ہے کیوں کہ اس کی آنکھیں سورج کی روشنی کی تاب نہیں لاسکتیں۔یہ لفظ دو اجزا سے مرکب ہے۔''چمکا'' جس کے بہروپ ''چمدا'' اور ''چندھا'' ہیں اور معنی چندھی آنکھوں والے کے ہیں جس کی آنکھیں روشنی

میں کھل نہیں پاتیں ۔اس لفظ کا دوسرا جزو "وڑ" ہے جس کا بہروپ "دل" ہے اور دل کے معنی طبقے اور لشکر یا فوج کہے ہیں چناں چہ چگاوڑ کا مطلب نکلتا ہے چندھی آنکھوں والے دل یا طبقے کا فرد۔

چھل قدمی۔بعض لوگوں کے نزدیک اس کے معنی چالیس قدم کی ٹہل کے ہیں اور یہ کام علی العموم رات کے کھانے کے بعد کیا جاتا ہے کیوں کہ اس سے کھانے کے لیے ہاضمے میں مدد ملتی ہے۔طب کی رو سے شام سے کھانے کے بعد ٹہلنا اس لیے تو مفید صحت ہو سکتا ہے کہ سونے سے پہلے کھانا قدرے تحلیل ہو جائے لیکن اس ٹہلنے کو صرف چالیس قدموں تک محدود کرنے کی پابندی علم طب طرف سے نہیں صرف ان لوگوں کی طرف سے ہے جو اس مرکب لفظ کے پہلے جزو کو فارسی سمجھ کر اس کے معنی چالیس مراد لیتے ہیں چھل قدمی کے عمل پر غور کیجیے تو اس سے آہستہ آہستہ چلنے یا ٹہلنے کا مفہوم تو سمجھ میں آتا ہے جو تیز تیز چلنے یا بھاگنے سے یقیناً مختلف ہے۔یہ لوگ اس مرکب لفظ کے پہلے جزو کو فارسی اور دوسرے جزو کو عربی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں اس کا پہلا جزو فارسی کے بجائے اردو کا ہے اور دوسرا بدستور عربی کا ہے ۔اس کا بہروپ "چھوٹ قدمی" یا "چھٹ قدمی" ہے جس کے معنی ہیں چھوٹے چھوٹے قدم کی ٹہل یعنی چھوٹے چھوٹے قدیم رکھ کر ٹہلنا۔

چینی۔ یہ لفظ اردو میں تین معنی دیتا ہے ۔[۱] ملک چین کا یعنی چین سے منسوب ۔اس کا تجزیہ یوں ہے: چین [ملک کا نام] + ای [لاحقہ نسبتی]۔ [۲] سفید باریک دانہ دار شکر جس سے مصری بنائی جاتی ہے۔ان معنوں میں اس کا بہروپ "چوری" [بہ معنی چورا، چورا کی تصغیر] ہے۔ [۳] سفید مٹی جس سے برتن بنائے جاتے ہیں اس سلسلے میں ممکن ہے بعض لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ مٹی ملک چین میں ملتی ہے اور وہیں سے ہمارے یہاں منگوا کر اس سے برتن بنائے جاتے ہیں لیکن یہ تاثر بالکل غلط ہے۔یہ مٹی ہمارے ہی یہاں ملتی ہے ۔ان معنوں میں اس لفظ کا بہروپ "چکنی" ہے۔

چھولداری ۔ ایک چھوٹے سے خیمے یا ڈیرے کو کہتے ہیں ۔اس لفظ کے اشتقاق کی کوششیں بہت دل چسپ ہیں جس کی ابتدا اس انگریز کی رومن تحریر سے ہوتی ہے جس نے اسے پہلی بار شول

ڈاری (SHOOLDARY) لکھا تھا اس کے بعد آنے والوں نے اسے سولجری پڑھا اور اسے انگریزی کے لفظ سولجر [بہ معنی سپاہی] سے منسوب کر دیا کیوں کہ سولجر کو بھی رومن لپی میں حرف ڈی (d) سے سولڈر لکھتے اور سولجر پڑھتے بولتے ہیں یعنی ڈی (d) سے جیم کی آواز نکالتے ہیں چناں چہ وہ اس لفظ کے معنی یہ سمجھے کہ یہ سولجروں یعنی سپاہیوں کے استعمال کے لیے ایک چھوٹا سا خیمہ ہوتا ہے۔ ہمارے انگریزی پڑھے لکھے لوگوں نے بھی ان کی رومن تحریر اور اشتقاق کوشش دیکھی تو انھیں کی تائید کرنے لگے لیکن یہ اشتقاق بالکل غلط ہے کیوں کہ چھول داری ایک عام استعمال کا چھوٹا اور ہلکا خیمہ ہوتا ہے جسے بآسانی ایک جگہ سے دوسرے جگہ لے جاسکتے ہیں چناں چہ شکاریوں، ریلوے ملازموں اور مزدوروں کو کام کے لیے جن غیر آباد اور ویران مقامات پر رہنا پڑتا ہے وہاں وہ چھولداریاں لگالیتے ہیں اور ان میں رہتے ہیں۔ اس لیے چھولداری کو صرف سپاہیوں سے مخصوص کر دینا غلط ہے۔ دراصل یہ ایک مرکب لفظ ہے جو دو اجزا ''چھول'' اور ''داری'' کے ملنے سے بنا ہے۔ ''چھول'' کا بہروپ ''چال'' [بہ معنی حرکت وسفر] اور ''داری'' کا بہروپ ڈیری [بہ معنی چھوٹا ڈیرا ہے یوں چھولداری کا بہروپ ''چل ڈیری'' یا ''چال ڈیری'' ہوا جس کے معنی چھوٹا سفری ڈیرا ہیں۔ پنجاب میں آج بھی لوگ گھر کو دارا بولتے ہیں جس سے مراد ڈیرا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے ''بارہ دری'' میں بھی ''دری'' کے معنی ''ڈیری'' ہی کے بیان کیے جاچکے ہیں یعنی دری یا داری دراصل ڈیری [بہ معنی چھوٹا خیمہ] کا بہروپ ہے۔

دوپٹہ ۔ عوامی اشتقاق کی رو سے اسے دوپاٹ کا کپڑا بتایا جاتا ہے حالاں کہ دوپٹا نہ پہلے بھی دو

۱۔ ہندوستان آنے والے ابتدائی انگریزوں نے جن میں سے بیشتر افسر مقرر ہو کر آتے تھے اردو کے الفاظ اپنے ملازموں، باورچیوں، بیروں، آیاؤں اور چوکیداروں وغیرہ کی زبان سے سن سن کر انھیں کے تلفظ کے مطابق رومن ابجد میں لکھے ہیں جنھیں آج دیکھ اور پڑھ کر ہنسی آتی ہے جیسے ڈکسی (Dixi) یعنی دیگچی۔ پیلن کین (Palanquin) یعنی پالکی وغیرہ لہٰذا ان کی تحریروں پر انحصار کر کے جو تلفظ، معنی یا اشتقاق اخذ کیا جائے گا وہ نہایت مضحکہ خیز ہوگا۔

پاٹ کا ہوتا تھا اور نہ اب ہوتا ہے۔ یہ بھی لفظ کے مکتوبی روپ سے دھوکا کھانے والی مثال ہے کیوں کہ اس لفظ میں واو پیش کا بدل ہے اور اس کا تلفظ "دپٹا" ہے۔ اس کے مادہ "دپ" [بہ معنی پوشیدہ کرنا] ہے جس کے بہروپ چھپ، لپ اور ڈک ہیں یعنی ڈپانا، چھپانا، لپانا اور دکانا سب کے معنی پوشیدہ کرنے اور ڈھانپنے کے ہیں۔ چناں چہ اس لفظ کا تجزیہ یوں ہے: دپٹا = دپ + لاحقہ فاعل "ٹا" بہ معنی چھپانے والا۔ یہ کپڑا چوں کہ جسم کو چھپانے کے لیے ایجاد ہوا تھا اس لیے اس کا نام دپٹا یعنی دپانے یا چھپانے والا رکھا گیا۔ مختلف صورتوں میں لوگ اسے ڈال اور رے سے ڈپٹا اور رپٹا بھی بولتے ہیں جس سے دوپاٹ کا اشتباہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ پنجابی میں اس کپڑے کو "لکار" کہتے ہیں جو فعل لکانے یعنی چھپانے سے بنا ہے۔

ڈاک۔ خطوط کا ایک مقام سے دوسرے مقام کو آنا جانا ڈاک کہلاتا ہے اور وہ سرکاری محکمہ جو یہ خدمت انجام دیتا ہے محکمہ ڈاک کہلاتا ہے۔ آج کل خطوط ریل کے ذریعے سے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجے جاتے ہیں بلکہ اس زمانے میں تو ہوائی جہاز کے ذریعے بھی آتے جاتے ہیں۔ جس ریل گاڑی سے خطوط آتے ہیں یعنی جس ریل گاڑی سے ڈاک آتی جاتی ہے وہ ڈاک گاڑی کہلاتی ہے اور دوسری مسافر گاڑیوں سے اس کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ شاہی زمانے میں یعنی ریل اور ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے مختلف مقامات کے درمیان جگہ جگہ ڈاک کی چوکیاں بنی ہوتی تھیں جہاں خطوط لانے لے جانے لیے گھوڑے تیار رکھے جاتے تھے۔ جیسے ہی ایک سوار گھوڑے پر ڈاک لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتا تھا وہاں کا گھوڑا جو پہلے سے اس کام کے لیے مستعد کھڑا رہتا تھا وہ خطوط لے کر اگلی چوکی کے لیے روانہ کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح گھوڑوں کی آمد و رفت کا ایک سلسلہ قائم رہتا تھا۔ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ ایک بار عہد اکبری میں احمد آباد [گجرات] کے ایک امیر کی بغاوت کی اطلاع ملنے پر خود اکبر بادشاہ بھی گھوڑے بدلتا ہوا تیرہ دن کی قلیل مدت میں آگرے سے احمد آباد پہنچا اور اس امیر کو اس نے اچانک جا پکڑا۔ گھوڑوں کی آمد و رفت کے اس سلسلہ کو ڈاک کہتے تھے۔ یہ سلسلہ آج تک ڈاک کے نام سے موسوم چلا آ رہا ہے۔ لفظ ڈاک کے

استعمال کا ایک اور موقع بھی ہے۔ پے در پے قے آنے کو بھی ڈاک لگنا کہتے ہیں۔ چناں چہ لفظ ڈاک اردو زبان کا لفظ ہے جس کے بہروپ "دھار" اور "تار" ہیں اور سلسلے کے معنی دیتے ہیں۔

سکتہ ۔ عربی میں ایک بیماری کا نام ہے جس میں انسان بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال کبھی کبھی کسی حادثے یا سانحے کی اچانک خبر سن کر بھی پیدا ہو جاتی ہے لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ شعر کے دوسرے مصرعے میں سکتہ پڑتا ہے تو وہاں اس کے معنی اس بیماری سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہاں سکتہ پڑنا سے مصرعے کے وزن میں جھول پڑنا مراد ہوتا ہے۔ ان معنوں میں اردو کا یہ لفظ عربی کے لفظ سے قطعی مختلف اور الگ ہے چناں چہ اس کا اردو بہروپ "ساٹا" ہے۔ کپڑے میں کسی جگہ جب بانے کا ایک تار کم ہو جاتا ہے تو اسے ساٹ کہتے ہیں اور یہ کپڑے کا نقص سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح جب شاعر کا کوئی مصرع مقررہ عروضی وزن سے کم رہ جاتا ہے تو ہم اسے مصرعے میں سکتہ پڑنا کہتے ہیں جس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کے وزن میں کمی رہ گئی اور اس میں جھول یا سکتہ پڑ گیا۔

سکندری ۔ بہ ظاہر یہ لفظ قدیم یونانی فاتح سکندر کا اسم نسبتی [بہ معنی سکندر سے منسوب] معلوم ہوتا ہے لیکن یہ عربی فارسی میں نہیں اردو میں بولا جاتا ہے۔ فعل کھانا کے ساتھ بولا جاتا ہے جس سے ٹھوکر کھانا مراد لیتے ہیں۔ یہ لفظ عموماً گھوڑے کے ٹھوکر کھانے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے چلتے چلتے گھوڑے نے سکندری کھائی اس لفظ کے بہروپ سکی، ٹھیکی اور ٹھوکری بنتے ہیں۔

قلندری ۔ بہ ظاہر یہ لفظ عربی الاصل اور قلندر پر یائے نسبتی کے اضافے سے بنا ہوا لگتا ہے جس کا مطلب "قلندر پن" ہوتا ہے لیکن اردو میں قلندری خیمے کو کہتے ہیں۔ اس معنوی اختلاف سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خالص اردو کا لفظ ہے جس کا اصل روپ "کلندری" اس کا تجزیہ یوں ہے:

کل [بہ معنی گول] + نون حشوی + دری [بہروپ ڈیری بہ معنی چھوٹا ڈیرا]۔ یوں کلندری یا قلندری کا مطلب ہوا گول خیمہ، گول ڈیری۔ نون حشوی کا اندراج اردو کے بہت سے لفظوں میں ہوا ہے جیسے جھلگا جھلنگا، تگو تلنگو، ناگا ننگا، کھڈ کھنڈ وغیرہ۔

کانپ۔ اس لفظ کے کئی معنی ہیں [۱] لرزش، رعشہ۔ [۲] پتنگ میں لگائی جانے والی بانس کی کھپاچ کی کمان اور [۳] ہلکا پیلا رنگ اس کے بہروپ چانپ اور کیس ہیں۔

کپاس ۔ ٹینٹ سے نکلی ہوئی بغیر دھنی روئی کو کہتے ہیں اور اس کے معنی پیلے کے بھی ہیں۔ یہ لفظ ''کانپ'' پر لاحقہ نسبتی ''آس'' لگا کر بنایا گیا ہے۔ اس کے بہروپ کپال اور کیسر [زعفران] ہیں۔ اس کا پھول ہلکے زرد رنگ کا ہوتا ہے۔

کپاسی۔ کپاس سے اسم نسبتی بنایا گیا ہے۔ اس کے معنی ہلکا پیلا ہیں۔ اس کے بہروپ کپالی اور کیسری[زعفرانی] ہیں۔ کپالی بودھ بھکشو کہلاتے تھے جو ہلکے پیلے رنگ کا لباس پہنتے تھے۔

کٹ پتلی ۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ کٹ پتلی کی اصل کٹھ پتلی [کاٹھ یا لکڑی کی پتلی] ہو گی لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ پتلیاں لکڑی کی نہیں کپڑے کی ہوتی ہیں کیوں کہ کاٹھ کی پتلیاں ڈوری سے حسب منشا ہلائی چلائی نہیں جاسکتیں۔ کٹ پتلی دراصل تماشے کی پتلی ہوتی ہے چناں چہ کٹ پتلی کا بہروپ کھیل پتلی ہے جس کا مطلب ہے ''کھیل یا تماشے میں دکھائی جانے والی پتلی۔''

کٹ ملا ۔ نہایت سخت گیر اور تنگ نظر مذہبی آدمی کو اس لقب سے پکارتے ہیں جس میں ذرا سی بھی روشن خیالی یا وسعت قلبی نہیں ہوتی۔ لکیر کا فقیر جو اپنی راہ سے ذرا سا بھی ادھر اُدھر نہیں جاسکتا نہ کسی کو جانے کی اجازت دیتا ہے۔ اس لفظ میں بھی لوگوں کو ''کٹ'' کے لفظ سے کاٹھ [لکڑی] کی سی سختی نظر آتی ہو گی لیکن یہاں بھی کٹ سے کاٹھ مراد نہیں ہے بلکہ یہاں کٹ کا بہروپ ''کٹر'' ہے چناں چہ ''کٹ ملا'' سے ''کٹر ملا'' [یعنی تنگ نظر مذہبی آدمی] مراد ہے۔

کوتوال ۔ اردو میں شہر کی حفاظت پر مامور پولیس کے اعلیٰ افسر کو کہتے ہیں۔ اسے کوتوال کے ساتھ ساتھ بعض اوقات ''شہر کوتوال'' بھی بولا جاتا ہے۔ بعض لوگ اسے سنسکرت کے لفظ ''کوٹ بال'' سے مشتق سمجھتے ہیں لیکن ایسا سوچنا الٹی گنگا بہانا ہے کیوں کہ یہ اردو کا دیسی لفظ ہے اور اردو ہی سے سنسکرت میں مستعار گیا ہے جہاں اردو کے الف کو بے سے بدلا گیا ہے جیسے اردو ''گوالا'' کو

''گوپال'' یا ''گوپا لک'' بنادیا گیا ہے۔کوت یا کوٹ کے دو معنی ہوتے ہیں[۱] قلعہ اور [۲]شہر پناہ چناں چہ کوتوال سے کوٹ یعنی شہر کی حفاظت کا ذمے دار افسر مراد ہوتا ہے کیوں کہ زمانہ قدیم میں حفاظت کی نظر سے شہر کے گرداگرد ایک فصیل کھینچ دی جاتی تھی۔

مردہ۔ فارسی میں مرے ہوئے آدمی یا اس کی لاش کو کہتے ہیں جب کہ اردو میں لڑکے کے معنوں میں بولا جاتا ہے جیسے ارے مردے! خاموش رہ، اس معنوی اختلاف سے ثابت ہے کہ اردو کا لفظ فارسی کے لفظ سے الگ اور مختلف ہے۔اس کی اردو اصل ''مردا'' ہے جس کی تانیث ''مردی'' بھی بول چال میں رائج ہے جو لڑکی کے لیے بولا جاتا ہے۔صوتی تبادل کی رو سے اردو کے دونوں الفاظ[مردا اور مردی] برج بھاشا میں موڑا اور موڑی، مرہٹی میں ملگا اور ملگی اور راجستھانی میں ٹا اور ٹی بولے جاتے ہیں۔

نمک پارے۔ بہ ظاہر اس مرکب لفظ کے دونوں اجزا فارسی الاصل معلوم ہوتے ہیں جن کے معنی ہوتے ہیں نمک کے ٹکڑے لیکن ہمارے یہاں جو نمک پارے کھائے جاتے ہیں وہ نمک کے ٹکڑے نہیں ہوتے بلکہ گندھے ہوئے نمکین آٹے کی روٹی بیل کر اس کی لمبی پتلی پتلی قاشیں کاٹ لیتے ہیں اور پھر ان کو روغن میں تل کر بالعموم چائے کے ساتھ کھاتے ہیں۔اس لفظ کا دوسرا جزو [پارے]شکر پارے کی طرح فارسی کا نہیں اردو کا ہے جس کا بہروپ پاڑے یا پڑے ہے چناں چہ نمک پارے سے نمک پڑے ٹکڑے مراد ہیں۔

واردات۔ عربی میں وارد کی جمع ہے جس کے معنی ورود کرنے اور نازل ہونے والوں کے ہیں چناں چہ واردات قلبی سے ذہن میں آنے والے خیالات مراد ہوتے ہیں لیکن اردو میں یہ لفظ بہ طور واحد مستعمل ہے اور قتل، ڈکیتی یا چوری جیسے کسی سنگین واقعے کے لیے بولا جاتا ہے۔اس لحاظ سے اردو کا یہ لفظ عربی کے لفظ سے بالکل الگ ہے جس کا بہروپ ''مار دھاڑ'' ہے۔

دخیل نما الفاظ کی فہرست

[ا] ابواب کے لحاظ سے

باب دوم۔	احاطہ۔ احوال۔ اردوے معلّٰی۔ بحال۔ بحث۔ بحران۔ حاطہ حال۔ حد۔ حرام خور۔ حرص۔ حقہ۔ حلوان۔ حلوائی۔ حلوہ۔ حلیم۔ حوالات۔ حوالدار۔ صحبت۔ صحنک۔ محال۔ محرم۔ محل۔ محل سرا۔ محلّہ۔ محلی۔
باب سوم۔	بیعانہ۔ جعل۔ جعلی۔ ضلع۔ طعنہ۔ طعنہ تشنیع۔ عاری۔ عبیر۔ عرصہ۔ عش عش۔ علیحدہ۔ عمدہ۔ عندیہ۔ عینک لعل۔ نعل۔
باب چہارم۔	افراتفری۔ الف۔ جعفری۔ سوفتہ۔ غف۔ فارخطی۔ فارغ خطی۔ فراغتی۔ فرفر۔ فراتا۔ فراق۔ فرچٹ۔ فرخند۔ فرنٹ۔ فضیتا۔ فضیحتی۔ فطرت۔ فطری۔ فن۔ فوارہ۔ فی فیتا۔ فیل۔ فیل پائی۔ قلفی۔ کافور۔ کوفتہ۔
باب پنجم۔	اطریفل۔ بساط۔ سطر۔ طبلچی۔ طبلیا۔ طبلہ۔ طرّار۔ طرح۔ طشتری۔ طعنہ۔ طلا۔ طنبورہ۔ طوطا۔ طوفان۔ واسطے۔
باب ششم۔	بازی۔ تعزیہ۔ تیزپات۔ ورز۔ ویز۔ ذات۔ ذرا۔ زپاتا۔ زٹ۔ زعفران۔ زق زق بق بق۔ زناتا۔ ضامن۔ گزی۔ لحاظ۔ مذاق۔ ملاحظہ۔
باب ہفتم۔	آثار۔ آشا۔ اشغلہ۔ اشتقلہ۔ پاش۔ پیچ کش۔ ثابت۔ ثار۔ جہارشاہی۔ خشخشی۔ خشک۔ خشکا۔ خشکی۔ رہائش۔ شادی۔

شافہ۔ شالا۔ شام۔ شان۔ شپا۔ شتا۔ شدبد۔ شدے۔
شرانا۔ شریفہ۔ شطرنج۔ شطرنجا۔ شطرنجی۔ شغل۔ شکتی۔ شکر
پارے۔ شکرپڑیاں۔ شوشہ۔ شیخی۔ صاحب۔ صحیح۔
صلواتیں۔ کشتہ۔ کشتی۔ مشعلچی۔ مشکیں۔ مصالح۔
مصری۔ مصلی۔ منقش۔ مہاشیر۔ ہشکارنا۔ ہشکانا۔

باب ہشتم۔ بخاری۔ پٹاخا۔ پٹخنا۔ پخنی۔ تڑاخا تڑخنا۔ تخ تخ۔ تختہ۔ تڑخانا۔
ٹرخنا۔ چٹاخ پٹاخ۔ چٹخنا۔ چٹخنی۔ چخ۔ چرخ۔ چرخہ۔ چغل
خور۔ حرام خور۔ خاصا۔ خٹا۔ خرکا۔ خرانا۔ خرچ۔ خرچہ۔
خرچی۔ خس۔ خستہ۔ خسرہ۔ خصم۔ خصی۔ خلاص۔ خلاصہ۔
خور۔ رخ۔ ریختہ۔ سلخا۔ شیخی خورا۔ غم خور۔ مزاخ۔ میل
خورا۔ نخالص۔ نخرا۔

باب نہم۔ باغ۔ بغارا۔ بغلی۔ بغیا۔ بوغرا۔ تغار۔ تغاری۔ تیغا۔ چغد۔
چغلی۔ غبارا۔ غپ۔ غپی۔ غٹا۔ غٹکنا۔ غچا۔ غدار۔ غرا۔
غرارا۔ غلّہ۔ غلیل۔ غم۔ غم خور۔ غین۔ مرغا۔ مغزی۔

باب دہم۔ بندوق۔ تڑاق پڑاق۔ تڑاقا۔ ترقنا۔ چاقو۔ چپڑقناتی۔
صندوق۔ فق۔ فقط۔ فقیر۔ فقیرنی۔ فقیری۔ قتلہ۔ قرنفل۔
قصائی۔ قطامہ۔ قلا۔ قلاش۔ قلانچ۔ قلقاری۔ قلچی۔ قوال۔
قوالی۔ قیف۔ قیق۔ قینچ۔ قیچا۔ قینچی۔

باب یازدہم۔ بارہہ۔ بارہ دری۔ بارہ سنگھا۔ بلوہ بہروپ۔ بہروپیا۔ *پنجیری۔
پہلوان۔ تپائی۔ تین تیرہ بارہ باٹ۔ ٹکا۔ جلال۔ جیل جیلی۔
چالاک۔ چپڑا۔ چپڑاس۔ چپڑاسی۔ چلم۔ چلمچی۔ چلمن۔

چمچا۔ چمچی۔ چمگادڑ۔ چہل قدمی۔ چینی۔ چھولداری۔ دوپٹہ۔
ڈاک۔ سکتہ۔ سکندری۔ قلندری۔ کانپ۔ کپاس۔ کپاسی۔
کپال۔ کپالی۔ کٹ پتلی۔ کٹ ملا۔ کوتوال۔ کیس۔
کیسر۔ کیسری۔ مردہ۔ مردی۔ نمک پارے۔ واردات۔

[ب] حروفِ تہجّی کے لحاظ سے

آ۔ آثار۔ آشنا۔

ا۔ احاطہ۔ احوال۔ اردوئے معلّٰی۔ اشغلہ۔ اشتلمہ۔ اطریفل۔ الف۔

ب۔ بارہہ۔ بارہ دری۔ بارہ سنگھا۔ باغ۔ بحال۔ بحث۔ بحران۔ بخاری۔
بخارا۔ بغلی۔ بغیا۔ بلوہ۔ بندوق۔ بوغرا۔ بہروپ۔ بہروپیا۔ بیعانہ۔

پ۔ پاش۔ پٹاخا۔ پٹخنا۔ پٹخنی۔ پنجیری۔ پہلوان۔ پیچ کش۔

ت۔ تپائی۔ تڑاق پڑاق۔ تڑاخا۔ تڑاقا۔ تڑخنا۔ تڑقنا۔ تعزیہ۔ تغار۔ تغاری۔
تیز پات۔ تیغا۔ تین تیرہ بارہ باٹ۔

ٹ۔ ٹخ۔ ٹخ۔ ٹخنہ۔ ٹوخانا۔ ٹرخنا۔ ٹکا۔

ث۔ ثابت۔ ثار۔

ج۔ جعفری۔ جعل۔ جعلی۔ جلال۔ جنبل۔ جیلی۔ جھارشاہی۔

چ۔ چاقو۔ چالاک۔ چپڑقناتی۔ چپڑا۔ چپڑاسی۔ چٹخنا۔ چٹخنی۔ چخ۔ چرخ۔
چرخہ۔ چرخی۔ چغد۔ چغل خور۔ چغلی۔ چلم۔ چلمچی۔ چمچا۔ چمچی۔
چمگادڑ۔ چھل قدمی۔ چینی۔ چھولداری۔

ح۔ حاطہ۔ حال۔ حد۔ حرام خور۔ حرص۔ حقہ۔ حلوان۔ حلوائی۔ حلوہ۔
حلیم۔ حوالات۔ حوالدار۔

خ۔ خاصا۔ خشا۔ خدکا۔ خرانا۔ خرچ۔ خرچہ۔ خرچی۔ خس۔ خستہ۔ خسرہ۔
خشخشی۔ خشک۔ خشکا۔ خشکی۔ خصم۔ خصّی۔ خلاص۔ خلاصہ۔ خور۔

د۔ درز۔ دوپٹہ۔ دیغ۔

ڈ۔ ڈاک۔

ذ۔ ذات۔ ذرا۔

ر۔ ریخ۔ ریختہ۔ رہائش۔

ز۔ زپاٹا۔ زرٹ۔ زعفران۔ زق زق بق بق۔ زناٹا

س۔ سطر۔ سکتہ۔ سکندری۔ سلجھا۔ سوفتہ۔

ش۔ شادی۔ شافہ۔ شالا۔ شام۔ شان۔ شپا۔ شتا۔ شدبد۔ شدّے۔
شرّاتا۔ شریفہ۔ شریف۔ شطرنج۔ شطرنجا۔ شطرنجی۔ شغتل۔ شکتی۔
شکرپارے۔ شکرپڑیاں۔ شوشہ۔ شیخی۔ شیخی خورا۔

ص۔ صاحب۔ صحبت۔ صحنک۔ صحیح۔ صلواتیں۔ صندوق۔

ض۔ ضامن۔ ضلع۔

ط۔ طبلہ۔ طبلچی۔ طرار۔ طرح۔ طشتری۔ طعنہ۔ طعنہ تشنیع۔ طلا۔ طنبورہ۔
طوطا۔ طوفان۔

ع۔ عاری۔ عبیر۔ عرصہ۔ عش عش۔ علیحدہ۔ عمدہ۔ عندیہ۔ عینک۔

غ۔ غتبارا۔ غپ۔ غتھی۔ غچا۔ غچکنا۔ غچّا۔ غدّار۔ غرا۔ غرارا۔ غف۔ غلہ
۔ غلیل۔ غم۔ غم خور۔ غین۔

ف۔ فارخطی۔ فارغ خطی۔ فراغتی۔ فرفر۔ فراٹا۔ فرچٹ۔ فراق۔ فرخند۔
فرنٹ۔ فضیتا۔ فصیتی۔ فطرت۔ فطرتی۔ فق۔ فقط۔ فقیر۔ فقیرنی۔
فقیری۔ فن۔ فوارہ۔ فی۔ فیتا۔ فیل۔ فیل ہائی۔

ق۔ قتلمہ۔ قرنفل۔ قصائی۔ قطامہ۔ قلا۔ قلاش۔ قلانچ۔ قلفی۔ قلقاری۔
قلندری۔ قمچی۔ قوال۔ قوالی۔ قیف۔ قیق۔ قینچ۔ قیچا۔ قوال قینچی۔

ک۔ کانپ۔ کپاس۔ کپاسی۔ کپال۔ کپالی۔ کٹ پتلی۔ کٹ ملا۔

کشتہ۔ کشتی۔ کوّال۔ کوفتہ۔ کیس۔ کیسر۔ کیسری۔

گ۔ گزی۔

ل۔ لحاظ۔ لعل۔

م۔ محال۔ محرم۔ محلسرا۔ محلّہ۔ محلی۔ مردہ۔ مردی۔ مرغا۔ مذاق۔
مراثی۔ مزاخ۔ مشعلچی۔ مشکیں۔ مصالح۔ مصری۔ مصلّی۔ مغزی۔
ملاحظہ۔ منقش۔ مہاشیر۔ میل خورا۔

ن۔ نخالص۔ نخرا۔ نعل۔ نمک پارے۔

و۔ واردات۔ واسطے۔

ہ۔ ہشکارنا۔ ہشکانا۔

اوردو میں دخیل اور دخیل نما الفاظ

اوردو زبان میں داخل شدہ دوسری زبانوں کے الفاظوں اور ان سے مشابہت رکھتے الفاظوں پر ایک نادر تحقیق

از

ڈاکٹر سہیل بخاری

کرف

جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش